إِنْ أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ

ماہنامہ

مئی ۲۰۲۵ء

البرہان

لاہور

اسلامی بینکاری ایک دھوکہ ہے

مُدِیر: پروفیسر ڈاکٹر محمد امین

پروفیسر ڈاکٹر محمد امین کی چند اہم تصانیف

نمبرشمار	کتاب	صفحات
عصری تعلیم کی اصلاح (اسلامی تناظر میں)		
۱	ہمارا تعلیمی بحران اور اس کا حل	۴۵۰
۴	اسلامی سکول کے خدوخال	۸۰
۲	تعلیم اور اس کا اسلامی کردار	۱۶۷
۳	خاموش انقلاب بذریعہ تعلیم و تربیت	۲۸۸
۶	یکساں قومی نصاب۔خدشات و مضمرات	۲۰۸
۵	ایک نئی یونیورسٹی کی ضرورت	۱۲۰
۷	اسلامی علوم میں تحقیق۔اصول، ترجیحات اور معیار	۲۷۲
۸	ماڈل نظامِ تربیت برائے سکولز (پروفیسر ارشد جاوید)	۸۸
۹	مقالاتِ تعلیم (پروفیسر ملک محمد حسینؒ)	۵۷۶
فہم قرآن	برائے سکولز، کالجز، یونیورسٹیز	
۱۰	تدریس القرآن پارہ: ۱، ۲ برائے معلمین	--
۱۱	تدریس القرآن جلد اوّل (الفاتحہ۔النساء)	--
۱۲	تدریس القرآن جلد دوم (المائدۃ۔التوبہ)	--
۱۳	تدریس القرآن جلد سوم: (یونس۔الکہف)	--
۱۴	پنج سورہ مع پارہ عم (اُردو تفہیم)	۷۶
طلبہ کی اسلامی تربیت		
۱۵	تعلیمی ادارے اور کردار سازی ای بُک	۱۷۲
۱۶	تعلیمی اداروں میں تعمیر سیرت۔ہینڈ بک و گائیڈ	۱۶۰
اصلاحِ دینی مدارس		
۱۷	ہمارا دینی نظام تعلیم	۲۵۰
۱۸	نصابِ مدنیؒ	۴۰
۱۹	مدرسہ ڈسکورسز۔مطالعہ و تجزیہ ای بُک	۱۵۶
۲۰	اصلاحِ دینی مدارس	۳۵۲
اسلامی تحریکیں		
۲۱	پاکستان کی دینی قوتیں غیر مؤثر اور ناکام کیوں؟	۲۴۰
۲۲	عصر حاضر میں دین کا متوازن تصور	۸۴

نمبرشمار	کتاب	صفحات
۲۳	نئی اصلاحی تحریک کی ضرورت	۷۲
تعمیرِ سیرت (تزکیۂ نفس)		
۲۴	اسلام اور تزکیۂ نفس (مغربی فکر کے ساتھ تقابلی مطالعہ)	۹۰۳
۲۵	حقیقت تزکیۂ نفس (سوالاً جواباً) ای بُک	۶۲
۲۶	اپنی اصلاح آپ کیسے؟	۵۶
۲۷	ترکِ رذائل (احمد جاوید)	۲۹۲
۲۸	عصر حاضر میں اسلام اور تعمیر سیرت	۴۰۴
اسلام اور مغربی فکر و تہذیب		
۲۹	اسلام اور تہذیبِ مغرب کی کشمکش	۱۷۶
۳۰	اسلامی اور مغربی اصطلاحات کا تقابلی مطالعہ	۱۷۶
۳۱	اسلام اور ردِّ فکرِ مغرب	۲۱۶
تفہیم دین		
۳۲	عروجِ اُمتِ مسلمہ (مسلم نشاۃ ثانیہ)	۳۸۴
۳۳	شاتم رسول کے قتل کی شرعی حیثیت	۴۸
۳۴	رزم حق و باطل ای بُک	۸۰
۳۵	اسلام اور پاکستان ای بُک	۳۰۰
۳۶	عصر حاضر اور اسلام کا نظام قانون ای بُک	۲۵۰
۳۷	جہاد اور دہشت گردی۔عصری تطبیقات ای بُک	۱۳۰
۳۸	مقالاتِ امین (جلد اوّل) ای بُک	۶۷۶
۳۹	مقالاتِ امین (جلد دوم) ای بُک	۶۴۲
اللغة العربية		
۴۰	السلطة التشريعية_دراسة مقارنة ای بُک	۱۵۰
English Books		
۴۱	Islamization of Laws in Pakistan	250
۴۲	Riyaz us Saliheen I & II	950
۴۳	Literal Translation of the Holy Quran Para 1-10	500

مکتبہ البرہان
136-نیلم بلاک، علامہ اقبال ٹاؤن، لاہور
0336-1913636

یہ اسباق یوٹیوب پر بھی موجود ہیں:
Prof.Dr. Muhammad Amin

تدریس القرآن

مرتب: پروفیسر ڈاکٹر محمد امین

قرآن حکیم کا ترجمہ سیکھنے کے لیے

سبق: ۱۵

سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃِ مَدَنِیَّۃٌ

اٰیَاتُهَا ۲۸۶ — رُکُوْعَاتُهَا ۴۰

آیت (۷۲-۷۷)

متن قرآن حکیم مع ترجمہ لفظی و با محاورہ	قرآنی لفظ	اردو استعمال
وَ اِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا ۭ وَاللّٰهُ	قَتَلْتُمْ	قتل، قاتل، مقتول
اور جب قتل کیا تم نے ایک شخص پھر باہم الزام تراشی کی تم نے اس میں جبکہ اللہ	نَفْسًا	نفس، نفوس، تنفس
اور یاد کرو جب تم (میں سے کسی) نے ایک شخص کو قتل کر دیا اور پھر تم باہم الزام تراشی کرنے		
مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿72﴾ فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ	مُخْرِجٌ	خارج، خروج، مخرج
ظاہر کرنے والا تھا جو تم تھے تم چھپاتے۔ تو کہا ہم نے مارو اُس کو	تَكْتُمُوْنَ	کتمانِ شہادت، کتمِ حق
لگے جب کہ اللہ اس کو ظاہر کرنے والا تھا جو تم چھپا رہے تھے۔ تو ہم نے کہا اس لاش کو	اضْرِبُوْهُ	کاری ضرب، مضروب
بِبَعْضِهَا ۭ كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى ۙ	يُحْيِ	یحیٰی، حیات، حی و قیوم
اس (گائے) کے ٹکڑے سے۔ اسی طرح زندہ کرے گا اللہ مُردوں کو۔	الْمَوْتٰى	موت، اموات، میت
اس گائے کے ایک ٹکڑے سے مارو (چھوؤ) تو وہ زندہ ہو جائے گا اور اسی طرح اللہ مُردوں		
وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿73﴾ ثُمَّ قَسَتْ	يُرِيْكُمْ	ریا، رویا، رویت ہلال کمیٹی
اور وہ دکھاتا ہے تمہیں نشانیاں اپنی تاکہ تم تم عقل کرو۔ پھر سخت ہو گئے	تَعْقِلُوْنَ	عقل، عاقل، معقول، عقیل
کو زندہ کرے گا اور وہ تمہیں نشانیاں اس لیے دکھاتا ہے تاکہ تم عقل سے کام لو۔	قَسَتْ	قساوتِ قلبی
قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ	قُلُوْبُكُمْ	قلب، قلوب، انقلاب
دل تمہارے اس کے بعد تو وہ جیسے پتھر یا اس سے بھی زیادہ	كَالْحِجَارَةِ	حجر اسود، شجر و حجر
اس کے باوجود تمہارے دل پتھر کی طرح سخت ہو گئے بلکہ اس سے بھی زیادہ	اَشَدُّ	شدید، تشدد، متشدد
قَسْوَةً ۭ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ	قَسْوَةً	قساوت قلبی
سخت اور بے شک بعض پتھروں سے کہ جو پھوٹ پڑتے ہیں	الْحِجَارَةِ	حجر اسود، شجر و حجر
سخت کہ بعض پتھروں سے بھی چشمے پھوٹ بہتے ہیں۔	يَتَفَجَّرُ	نماز فجر، انفجار، فسق و فجور
مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ۭ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ	الْاَنْهٰرُ	نہر، انہار، نہار منہ
اس سے چشمے اور بے شک ان میں سے کہ جو پھٹ پڑتا ہے تو نکلتا ہے ان سے	يَشَّقَّقُ	شق صدر، شق قمر، اشتقاق
اور بعض ان میں ایسے ہوتے ہیں جو پھٹ جاتے ہیں تو ان سے پانی بہہ نکلتا ہے۔	فَيَخْرُجُ	خارج، مخرج، وزارتِ خارجہ

متن قرآن حکیم مع ترجمہ لفظی و بامحاورہ	قرآنی لفظ	اردو استعمال
الْمَآءُ ؕ / وَاِنَّ / مِنْهَا / لَمَا / يَهْبِطُ / مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ	يَهْبِطُ	ہبوط آدم، مہبطِ وحی
پانی / اور بے شک / ان میں سے / کہ جو / گر پڑتا ہے / اللہ کے خوف سے	خَشْيَةِ	خشیتِ الٰہی
اور ان میں سے بعض ایسے ہوتے ہیں جو اللہ کے خوف سے گر پڑتے ہیں۔		
وَمَا / اللّٰهُ / بِغَافِلٍ / عَمَّا / تَعْمَلُوْنَ ﴿74﴾ / اَفَتَطْمَعُوْنَ / اَنْ	بِغَافِلٍ	غفلت، غافل
اور نہیں / اللہ / غافل / اس سے جو / تم کرتے ہو / کیا پھر تم طمع رکھتے ہو / کہ	تَعْمَلُوْنَ	عمل، اعمال، معاملہ، عامل
اور جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اس سے غافل نہیں ہے۔ (اے نبی!) کیا تم ان سے توقع رکھتے ہو	اَفَتَطْمَعُوْنَ	حرص وطمع
يُّؤْمِنُوْا / لَكُمْ / وَقَدْ / كَانَ / فَرِيْقٌ / مِّنْهُمْ / يَسْمَعُوْنَ	فَرِيْقٌ	تفریق، فرقہ، تفرقہ
وہ ایمان لے آئیں / تم پر / جب کہ بے شک / تھا / ایک گروہ / ان میں سے / سنتا	يَسْمَعُوْنَ	سماع، سماعت، سامعین
کہ وہ تم پر ایمان لے آئیں گے جب کہ ان میں سے ایک		
كَلٰمَ / اللّٰهِ / ثُمَّ / يُحَرِّفُوْنَهٗ / مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ / وَهُمْ	كَلٰمَ	کلمہ، کلام، متکلم، کلیم
کلام / اللہ کا / پھر / وہ بدل دیتا اسے / اس کو سمجھنے کے بعد / جبکہ وہ	يُحَرِّفُوْنَهٗ	حرف، حروف، تحریف
ایک گروہ اللہ کا کلام سن کر اور اسے سمجھ کر، جان بوجھ کر اس کو بدل دیتا ہے۔	عَقَلُوْهُ	عقل، عاقل، معقول
يَعْلَمُوْنَ ﴿75﴾ / وَاِذَا / لَقُوا / الَّذِيْنَ / اٰمَنُوْا / قَالُوْٓا	لَقُوا	ملاقات، ملاقاتی
جانتے ہیں۔ / اور جب / وہ ملتے ہیں / ان لوگوں سے / جو ایمان لائے / کہتے ہیں	اٰمَنُوْا	ایمان، مؤمن، مؤمنات
اور جب وہ مومنوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم بھی ایمان لے آئے ہیں		
اٰمَنَّا ۚ / وَاِذَا / خَلَا / بَعْضُهُمْ / اِلٰى / بَعْضٍ / قَالُوْٓا	خَلَا	خلوت، خلا، بیت الخلاء
ایمان لائے ہم / لیکن جب / تنہا ہوتے ہیں / بعض ان کے / طرف / بعض کے / وہ کہتے ہیں	اٰمَنَّا	ایمان، مؤمن، مؤمنین
لیکن جب آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ تنہا ہوتے ہیں تو کہتے ہیں		
اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ / بِمَا / فَتَحَ / اللّٰهُ / عَلَيْكُمْ / لِيُحَآجُّوْكُمْ	اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ	حدیث، تحدیث نعمت
کیا تم بتاتے ہو ان کو / جو کچھ / کھولا / اللہ نے / تم پر / تا کہ وہ حجت کریں تم سے	فَتَحَ	فتح، فاتح، مفتوح، افتتاح
کچھ عقل سے کام لو تم ان (مسلمانوں) کو وہ باتیں کیوں بتاتے ہو جو اللہ نے تم پر کھولی ہیں	لِيُحَآجُّوْكُمْ	حجت، حجیت، احتجاج
بِهٖ / عِنْدَ رَبِّكُمْ ؕ / اَفَلَا / تَعْقِلُوْنَ ﴿76﴾	تَعْقِلُوْنَ	عقل، عاقل، معقول
ساتھ اس کے / تمہارے رب کے پاس / کیا پھر نہیں / تم عقل کرتے؟		
کہ یہ تمہارے خلاف اللہ کے ہاں حجت قائم کریں۔		

(بقیہ صفحہ نمبر ۸۲)

ماہنامہ

البرہان

لاہور

Since 2010

جلد ۲۹ — شمارہ ۵

برائے آن لائن مطالعہ
www.alburhaan.pk

مئی ۲۰۲۵ء/ ذی القعدہ ۱۴۴۶ھ

آئینہ مضامین

☜ فکرونظر

- نوحہ — مدیر — ۴
- خاموش رہو — مشتاق سبقت — ۵

☜ شذرات

- اسرائیل کے خلاف فتویٰ جہاد - غزہ اورتعلیمی ادارے: کرنے کے کام ۷
- افغان مہاجرین - نرم رویے کی ضرورت - اسٹیبلشمنٹ غور کرے

☜ تعلیم وتربیت

- تعلیم وتزکیہ کا اجتماع ہی بہترین نتائج دیتا ہے — علامہ سید سلیمان ندویؒ — ۱۰
- تنظیم اساتذہ پاکستان - چیلنجز اور امکانیات — پروفیسر ڈاکٹر محمد امین — ۱۳
- ہماری یونیورسٹیوں میں زوالِ تحقیق — ڈاکٹر محمد ارشد — ۱۷
- موجودہ نظامِ تعلیم میں وقت کا ضیاع — حافظ محمد عمران طحاوی — ۲۶
- کیا ہوم وَرک مفید ہے؟ — زبیدہ مصطفیٰ — ۳۰

☜ دینی تحریکیں

- مدیر البرہان کا مضمون: تنظیم اسلامی کا موقف — خورشید انجم — ۳۳
- کچھ تنظیمِ اسلامی اور کچھ اپنے بارے میں — مدیر — ۴۳

☜ تفہیم دین

- غامدی صاحب کے متضاد تفسیری اصول — سید خالد جامعی — ۵۲
- اسلامی بینکاری ایک دھوکہ ہے — مولانا عبدالخالق آزاد — ۶۳

☜ فقہ وقانون

- اسرائیل کے خلاف جہاد کا فتویٰ — مجلس اتحاد اُمت — ۶۶
- لاہور ہائی کورٹ کا فیصلہ خلاف شریعت ہے — ملی مجلس شرعی — ۶۹

☜ مطالعۂ کتاب

- امام ابن تیمیہؒ کی تصنیف — حامد کمال الدین — ۷۳
"اِقْتِضَاءُ الصِّرَاطِ الْمُسْتَقِيمِ مُخَالِفَةَ أَصْحَابِ الْجَحِيمِ"
- کتاب نما — مدیر — ۷۹

مدیر

ڈاکٹر محمد امین

ادارۂ تحریر

ڈاکٹر جاوید اکبر انصاری
حافظ محمد عمران طحاوی

لیگل ایڈوائزر

محمد یحییٰ رشید، ایڈوکیٹ ہائی کورٹ

انچارج سرکولیشن
(0300-4107282)
[برائے خریداری، تجدید، شمارہ تاخیر سے ملنے کی شکایت اور مکتبہ البرہان کی کتب کی خریداری کے لیے]

زرِ اعانت: فی شمارہ 85 روپے
سالانہ 1000 روپے - پانچ سال: 5000 روپے
تاحیات 20,000 روپے

تحریک اصلاحِ تعلیم ٹرسٹ
سونیری بنک لمیٹڈ، مین برانچ، لاہور
PK92SONE0000120000056341

برائے رابطہ
136 نیلم بلاک، علامہ اقبال ٹاؤن، لاہور

کمپوزنگ: حافظ محسن یوسف
0306-4640366

نوحہ

اے عالمو! اے دانشورو! اے مصلحو! اے مفکرو!
کچھ ہمیں بتاؤ، کچھ ہماری رہبری کرو، کسی طرح یہ گتھی سلجھاؤ
کہ ہم سوئے ہوئے بے حمیت مسلم حکمرانوں کو کیسے جگائیں؟
کیسے انہیں غیرت دلائیں؟
کفر متحد ہے اور ہم منتشر ہیں
کفر متحرک اور فعال ہے اور ہم مُردوں کی طرح بے حس پڑے ہیں
پہلے غزہ کو تباہ کیا گیا۔ عورتوں، مردوں، بچوں، بوڑھوں کو قتل کیا گیا
اب ان کو کچلا بھی جائے گا اور ان سے غزہ خالی بھی کرایا جائے گا
کہ یہی امریکی شیطانِ کبیر کی خواہش ہے
تاکہ غزہ کی پٹی پر برلبِ ساحل عشرت کدے تعمیر کیے جائیں
ٹریڈ ٹاور کھڑے کیے جائیں
فلسطینی در بدر ہوتے ہیں تو ہوتے رہیں
وہ تو کیڑے مکوڑے ہیں، مرتے ہیں تو مرتے رہیں
اے مسلمانو! اے مسلم حکمرانو!
برائے نام مسلمانو! اللہ کے عذاب سے ڈرو!
اے پاکستان کے منحوس وڈیرو! لٹیرو! حکمرانو!
اگر اس نیوکلر پاور کو استعمال نہیں کرنا تو اسے سمندر میں دھکا دے دو
تاکہ ہم دنیا کے سامنے اور دنیا کے ربّ کے سامنے
شرمندہ نہ ہوں۔

فکر و نظر		مشتاق سبقت

خاموش رہو

جب دنیا کے بت خانوں میں اصنام کی پوجا جاری ہو
جب ایک انسان کی عظمت پر اِک پتھر کا دم بھاری ہو
جب مَن کی جمنا میلی ہو اور روح میں اک بیزاری ہو
جب جھوٹ کے ان بھگوانوں سے ایمان پہ لرزہ طاری ہو
اس حال میں ہم دیوانوں سے تم کہتے ہو خاموش رہو
ہم اہل حرم ہیں، اب ہم سے یہ کفر گوارا کیسے ہو؟
ہم لوگ انا الحق بولیں گے، ہم لوگ انا الحق بولیں گے [۱]
جب مسند، منبر پر بیٹھی ہر ایک نظر للچاتی ہو
جب صرف دکھاوے کی خاطر تسبیح اٹھائی جاتی ہو
جب دین کے ان ٹھیکیداروں میں نفسِ امّارہ باقی ہو
بے ذوق جہاں پر صہبا ہو، بے ذوق جہاں پر ساقی ہو
اس حال میں ہم دیوانوں سے تم کہتے ہو خاموش رہو
جب اہلِ خرد کی باتوں پر کچھ جاہل شور مچاتے ہوں
جب بلبل ہو تصویرِ چمن اور کوّے گیت سناتے ہوں
جب چڑیوں کے ان گھونسلوں میں کچھ سانپ اتارے جاتے ہوں
جب مالی اپنے گلشن میں خود ہاتھ سے آگ لگاتے ہوں
اس حال میں ہم دیوانوں سے تم کہتے ہو خاموش رہو

---

[۱] اس کا مفہومی ترجمہ عام طور پر یہ کیا جاتا ہے کہ ''مَیں خدا ہوں'' جب کہ اس کا زیادہ موزوں مفہوم یہ ہے کہ ''مَیں حق ہوں''، یعنی مَیں حق پر ہوں یا مَیں حق کا علمبردار ہوں۔ یا جیسے ہم کفر و باطل کے مقابلے میں 'دین حق' یا 'اہل حق' کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔

جب شاہ کے ایک اشارے پر اپنوں میں نیازیں بٹتی ہوں
جب آنکھیں غربت ماروں کی حسرت کا نظارہ کرتی ہوں
جب قلمیں جابر ظالم کی عظمت کا قصیدہ لکھتی ہوں
جب حق کی باتیں کہنے پر انساں کی زبانیں کٹتی ہوں
اس حال میں ہم دیوانوں سے تم کہتے ہو خاموش رہو

جب مصر کے ان بازاروں میں کنعان کو بیچا جاتا ہو
جب حرص و ہوس کی منڈی میں ایمان کو بیچا جاتا ہو
جب صوم وصلوٰۃ کے پردے میں قرآن کو بیچا جاتا ہو
انسان کو بیچا جاتا ہو یزدان کو بیچا جاتا ہو
اس حال میں ہم دیوانوں سے تم کہتے ہو خاموش رہو

جس دور میں کعبے والوں کو گرجا کے نظارے بھاتے ہوں
جس دور میں مشرق والے بھی مغرب کے ترانے گاتے ہوں
جس دور میں مسلم عالم بھی کچھ کہنے سے گھبراتے ہوں
جس دور میں سبقت غیرت کے اسباب عدم ہو جاتے ہوں
اس حال میں ہم دیوانوں سے تم کہتے ہو خاموش رہو

یونیورسٹی کی علمی آزادی

امریکہ کی ہارورڈ یونیورسٹی نے یونیورسٹی امور میں امریکی صدر کی مداخلت اوران کے غیر قانونی مطالبات ماننے سے انکار کردیا۔ اس کے نتیجے میں حکومت نے یونیورسٹی کے فنڈز روک دیئے جنہیں یونیورسٹی نے عدالت میں چیلنج کردیا ہے۔

یادرہے کہ ہمارے ہاں ہائر ایجوکیشن کمشن حکومتی ایماء پر پاکستانی یونیورسٹیوں کو غلام سمجھتا ہے اوران کی علمی آزادی وجود ہی نہیں رکھتی۔

شذرات مدیر

اسرائیل کے خلاف فتویٰ جہاد کی تائید

۱۰/اپریل ۲۰۲۵ءکو اسلام آباد میں غزہ کے مظلوم مسلمانوں کی حمایت میں ایک قومی کانفرنس ہوئی جس میں معروف عالم دین مفتی تقی عثمانی صاحب، مفتی منیب الرحمٰن صاحب، مولانا فضل الرحمٰن صاحب، جماعت اہلحدیث کے علامہ ابتسام الٰہی ظہیر صاحب، جماعت اسلامی کے سابق سینیٹر مشتاق احمد صاحب اور دیگر علماء کرام نے شرکت کی اور ایک مشترکہ اعلامیہ جاری کیا کہ اسرائیل غزہ و فلسطین کے مسلمانوں پر جو مظالم ڈھا رہا ہے جس میں ۵۵ ہزار سے زیادہ فلسطینی شہید ہو چکے ہیں جبکہ لاکھوں زخمی ہیں اور ۹۰ فیصد سے زیادہ عمارتیں ملبے کا ڈھیر بن چکی ہیں جبکہ اسرائیل اپنے حمایتیوں امریکہ و یورپ کے ساتھ مل کر مجاہدین حماس کے خاتمے اور فلسطینیوں کو در بدر کرنے پر تلا ہوا ہے اس لیے مسلمانوں پر اسرائیل کو مظالم سے روکنے اور مظلوم فلسطینی بھائیوں کو نصرت کے لیے جہاد فرض ہو چکا ہے۔ اس لیے مسلم حکمرانوں اور افواج پر شرعاً فرض ہو چکا ہے کہ وہ اسرائیل کے خلاف عملی اقدامات کریں اور اسے ظلم سے روکیں۔

ہم اس قومی کانفرنس کے ظالم و عالمی دہشت گرد اسرائیل کے خلاف علماء کرام کے فتوے کی حمایت کرتے ہیں اور پاکستانی حکمرانوں، افواج اور عامۃ الناس سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ اپنے مظلوم فلسطینی بھائیوں کی جتنی ہو سکے، زیادہ سے زیادہ مدد کریں اور جارح اسرائیل کا ہاتھ روکنے کے خلاف ضروری اقدامات کریں۔

غزہ اور تعلیمی ادارے۔ کرنے کے کام

ایک یونیورسٹی پروفیسر صاحب نے ہم سے پوچھا کہ اگر وہ اپنے ادارے میں غزہ کے حوالے سے کچھ کرنا چاہیں تو وہ کیا کریں۔ اس پر ہم نے انہیں مندرجہ ذیل جواب دیا:

میرے خیال میں یونیورسٹیاں اور تعلیمی ادارے غزہ کے حوالے سے مندرجہ ذیل سرگرمیاں مرتب کر سکتے ہیں:

۱۔ طلبہ کو اسائنمنٹ دی جائے کہ وہ غزہ اور حماس مجاہدین کے مؤقف پر مضمون لکھیں۔
۲۔ اس موضوع پر طلبہ کے درمیان تقریری مقابلہ/ مباحثہ کروایا جائے۔
۳۔ اس موضوع کی مختلف جہتوں پر بی ایس آنرز یا ایم فل کے تھیسیز لکھوائے جائیں۔
۴۔ اساتذہ خصوصی تیاری کر کے اس موضوع پر کلاس میں لیکچرز دیں۔
۵۔ طلبہ سے کہا جائے کہ وہ اپنی اپنی فیملی میں اسرائیل اور اس کے حمائتیوں کی تیار کردہ اشیاء کا بائیکاٹ کریں۔
۶۔ پاکستان کی ساری مذہبی جماعتوں نے اسرائیل کے خلاف جہاد کے فرض ہونے کی جو رائے دی ہے، اُسے کلاس روم میں زیر بحث لایا جائے۔ اس کی اسائنمنٹ دی جائے اور اس کے حق میں دلائل طلب کیے جائیں۔
۷۔ اساتذہ اور طلبہ سے کہا جائے کہ وہ اس موضوع پر اخبارات اور جرائد میں مضامین لکھیں۔

یہ چند باتیں ذہن میں آئیں تو لکھ دیں۔ ممکن ہے آپ کو یہ قابل عمل اور مفید لگیں۔

افغان مہاجرین ۔نرم رویے کی ضرورت

حکومت پاکستان نے ایک ماہ کا نوٹس دے کر افغان مہاجرین کو زبردستی پکڑ پکڑ کر واپس بھجوانا شروع کر دیا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ حکومت کو اس پر دو وجوہ سے نظر ثانی کرنی چاہیے۔ ایک تو یہ کہ مہاجرین کی آمد ہمارے ہاں افغانستان میں روسی مداخلت کے بعد شروع ہوئی تھی۔ اس کو چالیس سال گزر چکے۔ چالیس سال تھوڑی مدت نہیں۔ اس دوران افغان مہاجرین کے ہاں جو بچے یہاں پیدا ہوئے تھے، انہوں نے یہیں تعلیم حاصل کی، یہیں شادی کی، یہیں ملازمت کی یا کاروبار کیا۔ اب ان کو معمولی نوٹس کے بعد پکڑ دھکڑ کر کے زبردستی بھجوانے کے دوررس منفی اثرات ہوں گے۔ جنرل مشرف نے افغانیوں کے خلاف امریکہ کی جو حمایت کی، اس کے منفی اثرات پہلے ہی افغان معاشرے میں موجود ہیں۔ اب ان کو پکڑ دھکڑ سے ان کو جمے جمائے کاروبار اونے پونے داموں میں بیچنا پڑیں گے جو تکلیف دہ ہے۔ نشاندہی ہو جانے پر ان کو ایک سال یا کم از کم ٦ مہینے کی مہلت دیں۔

یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ جب صحیح اصولی قدم اٹھانے کا وقت ہوتا ہے۔ اس وقت ہم لوگ سوئے رہتے ہیں اور جب غلط کام پختہ ہوجاتا ہے تو ہم اسے اکھاڑنے میں لگ جاتے ہیں۔ اگر شروع ہی سے افغان مہاجرین کو خیموں تک محدود رکھا جاتا، ان کو معمولی رشوت پر شناختی کارڈ نہ بنا کر دیے جاتے تو ان کو واپس بھجوانا مشکل نہ ہوتا۔ اب اس پر عمل ان کے لیے بھی مشکل ہے۔ اس لیے ہم حکومت پاکستان سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ نرمی سے کام لے، ان کو سنبھلنے کی مہلت دے۔ افغان حکومت سے رابطہ کرے اور ان سے اصرار کرے کہ اب جبکہ افغانستان میں ان کی اپنی حکومت بن چکی ہے تو وہ ان مہاجرین کو واپس بلانے کے کام کو منظم طریقے سے انجام دے۔

اسٹیبلشمنٹ غور کرے

ہم جیسے لوگ جو کسی مخصوص سیاسی جماعت کے حامی یا مخالف نہیں ہیں بلکہ فوج کے آئینی کردار کے حامی ہیں میڈیا کے ذریعے دیے گئے مندرجہ ذیل پیغامات پر مضطرب ہیں کہ:

* عسکری ادارہ پیچھے بیٹھ کر کنگ میکر کا رول ادا کرنے پر، ہر قیمت پر، مصر ہے۔
* اس کے لیے اس نے امریکہ کی سیاسی حکومت کے علاوہ پینٹا گون اور سی آئی اے کو بھی اپنے ناگزیر ہونے کی یقین دہانی کرائی ہے اور اس کے لیے اس نے

- افغانستان میں امریکی مفادات حاصل کرنے میں اپنی رضا کارانہ خدمات پیش کی ہیں اور افغانستان سے ہماری کشمکش اسی کا مظہر اور شاخسانہ ہے۔
- امریکیوں کو خوش رکھنے کے لیے اپنے معدنی ذخائر ان کو پیش کر دیے ہیں۔

ہماری درخواست ہے کہ عسکری ادارہ ان 'الزامات' کو ردّ کرنے کے لیے اپنے نقطۂ نظر کی وضاحت موزوں پلیٹ فارمز سے ضرور کرے تاکہ غیر جانبدار لوگوں کے ذہن اس بارے میں کلیئر ہو سکیں اور لوگ اپنی افواج کے بارے میں غلط مؤقف اختیار نہ کریں کیونکہ اس سے عوام اور عسکری ادارے کے درمیان نفرت کا پیدا ہونا ملک و ملت کے لیے بہت نقصان دہ ہے۔

تعلیم و تربیت علامہ سید سلیمان ندویؒ

دین کی تفہیم واشاعت میں
تعلیم وتزکیہ کا اجتماع ہی بہترین نتائج دیتا ہے

اُمتِ مسلمہ جانشین نبی ﷺ ہے

اُمتِ مسلمہ فرائضِ نبوت میں سے دعوت الی الخیر اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر میں نبی کریم ﷺ کی جانشین ہے، اس لیے رسول اللہ ﷺ کو کارِ نبوت کے جو تین فرائض عطا ہوئے ہیں: ۱۔تلاوتِ احکام ۲۔تعلیم کتاب وحکمت اور ۳۔تزکیہ یہ تینوں فرض اُمت مسلمہ پر بھی بطور کفایہ عائد ہیں۔ چنانچہ قرناً بعد قرن اکابرائمہ امت نے ان تینوں فریضوں کی ادائیگی میں پوری توجہ اور کوشش مبذول فرمائی اور انہیں کے مجاہدات کا نور ہے جس سے کاشانۂ اسلام میں روشنی ہے۔ نبوت کے یہ تینوں فرائض اس آیت میں یکجا ہیں:

﴿هُوَالَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ﴾ [الجمعہ ۶۲:۲]

’’وہی ہے جس نے اُمی لوگوں میں انہی میں سے ایک رسول کو بھیجا جو ان کے سامنے اس کی آیتوں کی تلاوت کریں، ان کا تزکیۂ نفس کریں اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیں، جبکہ وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔‘‘

تعلیم اور تزکیہ کی یکجائی

رسول کریم ﷺ نے ان تینوں فرائض کو بحسن وخوبی انجام دیا اور لوگوں کو احکامِ الٰہی اور آیاتِ ربانی پڑھ کر سنائے اور ان کو کتابِ الٰہی اور حکمت ربانی کی باتیں سکھائیں اور اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ اپنی صحبت، فیض تاثیر اور طریق تدبیر سے پاک وصاف بھی کیا، نفوس کا تزکیہ فرمایا، قلوب کے امراض کا علاج کیا اور برائیوں اور بدیوں کے زنگ اور میل کو دور کر کے اخلاق انسانی کو نکھارا اور سنوارا۔ یہ دونوں ظاہری وباطنی فرض یکساں اہمیت سے ادا ہوتے رہے، چنانچہ صحابہ کرامؓ اور ان کے بعد تابعینؒ اور پھر تبع تابعینؒ تک یہ دونوں ظاہری وباطنی

کام اسی طرح جاری رہے، جو استاد تھے وہ شیخ تھے اور جو شیخ تھے وہ استاد تھے، وہ جو مسند درس کو جلوہ دیتے تھے وہ خلوت کے شب زندہ دار اور اپنے ہم نشینوں کے تزکیہ وتصفیہ کے بھی ذمہ دار تھے۔ ان تینوں طبقوں میں استاد اور شیخ کی تفریق نظر نہیں آتی۔

تعلیم اور تزکیہ میں تفریق غلط ہے

اس کے بعد وہ دور آنا شروع ہوا جس میں مسندِ ظاہر کے درس گو باطن کے کورے اور باطن کے روشن دل ظاہر سے عاری ہونے لگے اور عہد بہ عہد ظاہر و باطن کی یہ خلیج بڑھتی ہی چلی گئی، تا آنکہ علوم ظاہر کے لیے مدارس کی چہار دیواری اور تعلیم وتزکیۂ باطن کے لیے خانقاہوں اور رباطوں کی تعمیر عمل میں آئی اور وہ مسجد نبوی جس میں یہ دونوں جلوے یکجا تھے، اس کی تجلیات مدرسوں اور خانقاہوں کے دو حصوں میں تقسیم ہو گئیں، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مدارس سے علماء دین کی جگہ علماء دنیا نکلنے لگے اور باطن کے مدعی علم شریعت کے اسرار وکمالات سے جاہل ہو کر رہ گئے۔

فلاح دونوں کی یکجائی میں ہے

تاہم اس دور کے بعد بھی ایسی مستثنٰی ہستیاں پیدا ہوتی رہیں جن میں نورِ نبوت کے یہ دونوں رنگ بھرے تھے، اور غور سے دیکھیے تو معلوم ہوگا کہ اسلام میں جن بزرگوں سے فیوض پہنچے اور پھیلے، وہ وہی تھے جو ان دونوں کے جامع تھے۔ امام غزالیؒ جن سے علوم معقول ومنقول نے جلوہ پایا، علم حقیقت نے بھی انہی کے ذریعہ ظہور پایا، حضرت شیخ ابوالنجیب سہروردیؒ ایک طرف شیخ طریقت ہیں تو دوسری طرف مدرسہ نظامیہ کے مدّرس، حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ امامِ وقت اور شیخ طریقت دونوں ہیں۔ یہاں تک کہ وہ لوگ جن کو علمائے ظاہر سمجھا جاتا ہے جیسے حضرات محدثین امام بخاریؒ، ابن حنبلؒ، سفیان ثوریؒ وغیرہ، وہ بھی اس جامعیت سے سرفراز تھے۔ متوسّطین میں علامہ ابن تیمیہؒ اور حافظ ابن قیمؒ کو ناواقف باطن سے خالی سمجھتے ہیں، حالانکہ ان کے احوال وسوانح ان برکاتِ باطنی سے لبریز ہیں۔ ابن قیمؒ کی ''مسالک السالکین'' وغیرہ کتابیں پڑھیے تو اندازہ ہوگا کہ وہ آرائش ظاہر اور جمال باطن دونوں سے آراستہ تھے۔

ہندوستان میں جن بزرگوں کے دم قدم سے اسلام کی روشنی پھیلی، وہ حقیقت میں وہی تھے جن کی ذات میں مدرسہ اور خانقاہ کی جامعیت تھی کہ وہ اُسوۂ نبوت کے قریب تر تھے، اس

لیے ان کا فیض بعید سے بعید تر حصہ تک پھیلتا چلا گیا۔ آسمانِ دلی کے مہر و ماہ اور تارے شاہ عبدالرحیمؒ سے لے کر شاہ اسماعیلؒ تک کو آپ ایک ایک کر کے دیکھیں تو ظاہر و باطن کے علوم والوں کی یکجائی کا نظارہ آپ کو ہوگا اور اس سے ان کے علمی و روحانی برکات کی وسعت کی حقیقت آشکارا ہو جائے گی۔ وہ علوم کی تدریس ﴿يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ﴾ کا جلوہ دکھاتے تھے اور حجروں میں بیٹھ کر ﴿وَيُزَكِّيْهِمْ﴾ کی جلوہ ریزی فرماتے تھے۔

پھر ان کے بعد ان کے فیوض و برکات کے جو حامل ہوئے جن کی نشاندہی چنداں ضروری نہیں کہ ﴿سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ﴾ ان سے دنیا کو فیض پہنچا اور دین کی اشاعت و تبلیغ اور قلوب و نفوس کے تزکیہ و تصفیہ کا جو کام انجام پایا وہ بھی ظاہر و باطن کے اسی جامعیت کے آئینہ دار تھے، اور آئندہ بھی سنن الٰہیہ کے مطابق دین کا فیض جن سے پھیلے گا وہ وہی ہوں گے جن سے مدرسیت اور خانقاہیت کی دو سوتیں ایک چشمہ بن کر بہیں گی۔

آنکھوں کا نور شب بیداری سے بڑھتا اور زبان کی تاثیر ذکر کی کثرت سے پھیلتی ہے، رات کے راہب ہی اسلام میں دین کے سپاہی ثابت ہوئے ہیں۔ سوانح و تراجم کا چودہ سو سالہ دفتر اس دعوے کا شاہد ہے، زبان کی روانی اور قلم کی جولانی دل کی تابانی کے بغیر سراب کی نمود سے زیادہ نہیں، خواہ وہ اس وقت کتنا ہی تابناک نظر آتا ہو، مگر وہ مستقل اور مستقبل وجود سے محروم ہے۔ [۱]

بقیہ: ہماری یونیورسٹیوں میں زوالِ تحقیق

اے رب العالمین! اس زمرۂ محققین میں سے ہر ہر فرد کو ان کی مقالہ بازی کے صلے میں بے شک کسی یونیورسٹی کی فیکلٹی کا ڈین اور اس سے بھی بڑھ کر وائس چانسلر بنا دے، انھیں ان کی بے پایاں علمی و تحقیقی خدمات کے صلے میں نوبل انعام دلا دے مگر مجھے ان کے تحقیقی شر ور و فتن اور ان کے مظالم سے بچا لے:

اللّٰھم انی اجعلك فی نحورھم و اعوذبك من شرورھم۔ اللّٰھم اکفنی شرھم بما شئت و کیف شئت۔

اے رب العالمین میری فریاد، میری دعا کو قبول فرما، آمین۔

---

[۱] سید ابوالحسن علی ندویؒ کی کتاب ''حضرت مولانا محمد الیاسؒ اور ان کی دینی دعوت'' کے پیش لفظ سے مقتبس

تعلیم و تربیت

پروفیسر ڈاکٹر محمد امین

تنظیمِ اساتذہ پاکستان۔چیلنجز اور امکانات

۷ رستمبر ۱۹۶۹ء کو وجود میں آنے والی تنظیم اساتذہ پاکستان کے دستور میں اس کے جو مقاصد گنوائے گئے ہیں ان میں مندرجہ ذیل نکات بھی شامل ہیں:

* نظام تعلیم کو اسلامی تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کرنا
* اساتذہ کی تعمیر سیرت کا اہتمام کرنا
* اسلامی خطوط پر تعمیر سیرت کے لیے درسگاہوں میں مناسب ماحول پیدا کرنا
* تعلیمی حلقوں میں لادینی تحریکوں کے پیدا کردہ اثرات کا ازالہ کرنے کی کوشش کرنا

تنظیم اساتذہ کی مرکزی ٹیم کے ایک اہم رکن مرحوم پروفیسر ملک محمد حسین نے ان نکات کی وضاحت کرتے ہوئے ان میں دو نکات کا اضافہ کیا ہے یعنی:

* تجدید و احیائے علم کا کام اسلامی تناظر میں کرنا
* عملِ تعلیم اور فنِ تعلیم و تربیت کی اسلامی تشکیل جدید

ان کے الفاظ یہ ہیں:

''نظام تعلیم کو اسلامی تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کا کٹھن اور عظیم کام فہم اسلام کے ساتھ ساتھ اس بات کا بھی متقاضی ہے کہ تجدید و احیائے علم کا کام اسلامی تناظر میں کیا جائے اور مغرب کی ملحدانہ تہذیب کے زیر اثر صدیوں سے ظلمت میں پرورش پانے والے علم کو جاہلیت کے جھاڑ جھنکار سے پاک کیا جائے۔ اسے علم وحی کی روشنی سے منور کیا جائے اور اسے انسان کی فلاح و بہبود کے لیے ازسرِ نو قابل عمل بنایا جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ عمل تعلیم اور فن تعلیم و تربیت کی اسلامی تشکیل جدید بھی ضروری ہے تاکہ صحیح علم صحیح عمل سے گزر کر مسلمان بچوں کے اذہان کی آبیاری کرے اور انہیں اسلامی نشأۃ ثانیہ کے لیے مسلم امہ کی اہم ذمہ داریاں

سنبھالنے کے اہل بنائے۔''[۱]

اسی طرح تنظیم اساتذہ پاکستان کے دستور نے اپنے ارکان کے لیے جو ضابطۂ اخلاق تجویز کیا ہے، اس کے مندرجہ ذیل دو نکات بھی ہمارے پیش نظر رہنے چاہئیں:

* اپنی زندگی کو احکام الٰہی اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق ڈھالے گا، اور ان امور سے بچنے کی کوشش کرے گا جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ناراضگی کا باعث ہیں۔

* اسلام کا انسان مطلوب بنانے کی غرض سے اپنے شاگردوں کی تربیت کو ہر لمحہ پیش نظر رکھے گا۔

اس کے بعد مختلف مراحل میں اردو کے نفاذ، مخلوط تعلیم کے خاتمے، انگلش میڈیم اور انگریزی زبان کی بالادستی کی مخالفت، خواتین یونیورسٹی کے قیام، قومی تعلیمی پالیسیوں کی اسلامی تقاضوں کے مطابق تشکیل اور نظام تعلیم کی اسلامی تشکیل نو کے حق میں مطالبات بھی شدّ و مدّ سے پیش کیے گئے۔ آج جبکہ تنظیم اساتذہ کو قائم ہوئے ۵۶ سال گزر چکے ہیں یعنی نصف صدی سے بھی زیادہ، تو رُک کر ضرورت یہ دیکھنے کی ہے کہ تنظیم اساتذہ پاکستان نے ان نعروں، مطالبوں بلکہ اپنے اختیار کردہ مقاصد و اہداف کے لیے کتنا کام کیا، اس کے کیا نتائج نکلے اور آئندہ کے لیے اس کا لائحہ عمل کیا ہونا چاہیے؟

یہاں ایک مشکل یہ ہے کہ کہ اکثر دینی ادارے اور تحریکیں شروع ہوتی ہیں نصرت دین کے نام پر لیکن کچھ عرصہ گزرنے کے بعد تحریکیں خود مقصود بن جاتی ہیں اور دین کے لیے جدوجہد چونکہ مقدس گردانی جاتی ہے، اس لیے تحریکیں بھی مقدس بننے لگتی ہیں اور ان کی حمایت یا مخالفت دین کی حمایت یا مخالفت کی طرح حق و باطل کا معیار بن جاتی ہے۔ یہاں پہنچ کر تحریک (یعنی اس کی قیادت) بھی اپنا پھن پھیلا لیتی ہے اور ''نظم'' اور تنظیم کے مصالح'' کے نام پر ارکان کا حق تنقید و احتجاج و احتساب بلکہ حق تجزیہ و تحقیق بھی چھین لیا جاتا ہے۔ یوں

[۱] مضمون ''تنظیم اساتذہ پاکستان - ایک نظریہ، ایک تحریک'' در ''مقالاتِ تعلیم'' پروفیسر ملک محمد حسین مرحوم، ص ۵۱۷، مطبوعہ مکتبہ البرہان، لاہور، ۲۰۲۲ء

'تحریک' مقدس گائے بن جاتی ہے اور ارکان اس کے اندھے مقلد اور خاموش پجاری بن کر رہ جاتے ہیں۔ یوں تحریک اپنی اصلاح، فعالیت اور آگے بڑھنے کی قوت کھو دیتی ہے۔ پانی جب تک بہتا رہے تازہ اور قابل استعمال رہتا ہے لیکن جب کھڑا رہے تو بُو دینے لگتا ہے، سڑاند پھیلاتا ہے اور ناقابل استعمال ہو جاتا ہے۔ عوامی زبان میں کہتے ہیں: چلتی رہے تو گاڑی، کھڑی ہو جائے تو چھکڑا۔

دوسری مشکل یہ ہے کہ ہمارا نظام تعلیم وتربیت (اور تحریک اسلامی کا تنظیمی ڈھانچہ) تجزیہ وتحقیق یعنی Analytical Thinking اور تنقید واحتساب یعنی Critical Thinking کی ترغیب وتربیت دیتا ہی نہیں۔ یہ رٹو طوطے اور مریدانِ باصفا بناتا ہے۔ ظاہر ہے اس سے تعمیر شخصیت نہیں ہوتی بلکہ شخصیت کچلی جاتی ہے اور ہر بات پر سر ہلانے والے بدھو وجود میں آتے ہیں۔ کوئی سوچنے اور بولنے والا ہو تو اسے گستاخ اور گنوار گردانا جاتا ہے اور وہ اور اس کا طرزِ عمل ناپسندیدہ اور ناگوار سمجھا جاتا ہے۔ ان حالات میں تنظیمیں، ادارے اور تحریکیں پہلے غیر فعال، غیر مؤثر اور عدم نتیجہ خیز (Unproductive) ہوتی ہیں، پھر چندے ان کا نام چلتا رہتا ہے، کام کوئی نہیں ہوتا اور بالآخر وہ تاریکی میں ڈوب کر تاریخ کا حصہ بن جاتی ہیں۔

اگرچند مغرب زدہ تعلیمی اداروں میں Critical Thinking پیدا کی بھی جاتی ہے تو مسلم روایات اور اسلامی آدرشوں کے خلاف نہ کہ مغرب کی الحادی تہذیب کے سیکولرزم اور لبرلزم کے خلاف۔

تنظیم اساتذہ پاکستان کی کامیابیوں اور ناکامیوں کا تفصیلی تجزیہ اس وقت میرے پیش نظر نہیں البتہ اگر مَیں نرم سے نرم لہجہ بھی اختیار کروں تو کہہ سکتا ہوں کہ تنظیم اساتذہ پاکستان اس وقت بڑی حد تک غیر فعال اور Unproductive ہو چکی ہے۔ اگر آپ کو یہ بات بری اور کڑوی لگے تو میں معذرت کرلوں گا اور یہ سمجھ کر خاموش ہو جاؤں گا کہ مرض ناقابل علاج ہے۔ لیکن اگر آپ میری بات کو قابل توجہ اور Considerable قرار دیں تو پھر میری مندرجہ ذیل تجاویز پر غور فرمائیں:

۱۔ تنظیم اساتذہ پاکستان ایک 'ٹروتھ کمشن' بنائے۔ مَیں نے یہ اصطلاح اس لیے استعمال کی ہے کہ یہ اس مفہوم کا تقریباً صحیح اظہار کرتی ہے جو میرے پیش نظر ہے۔ دوسرے لفظوں میں تنظیم اسلامی کی مرکزی مجلس انتظامیہ تنظیم کے اندر سوچنے اور بولنے والے اور تنظیم سے باہر موزوں افراد پر مشتمل ایک کمیٹی بنائے جو بے لاگ بلکہ سفاک انداز میں تنظیم کے حالات، کامیابیوں، ناکامیوں اور طریق کار وغیرہ پر تنقیدی نظر ڈالے اور مؤثر اصلاحی اقدامات تجویز کرے جن پر عمل کیا جائے۔

۲۔ دستور یا قواعد وضوابط میں یہ ترمیم کی جائے کہ تنظیم اساتذہ کے ارکان ملازمت سے ریٹائرمنٹ کے بعد بھی رکن تنظیم رہیں گے اور عہدیدار بھی بن سکیں گے۔

۳۔ 'ناظمِ تنظیم' کا ایک نیا عہدہ تخلیق کیا جائے جو مستقل مرکز میں بیٹھے۔ وہ ساری صوبائی، ضلعی اور شہری تنظیموں سے رابطے میں رہے۔ ان سے باقاعدہ ہر ماہ رپورٹ لے اور ہر طرح کی سرگرمیاں مرکز تنظیم میں ہوتی رہیں۔ صوبے اور لاہور کی تنظیم کو بھی مرکز تنظیم میں کسی فلور پر چند کمرے دے دیے جائیں تاکہ ان کی سرگرمیاں بھی یہاں جاری رہیں اور اس طرح مرکز ہر وقت آباد اور فعال رہے۔ دیگر شہروں سے لاہور آنے والے ارکان تنظیم کے لیے بھی ایک دو کمرے مرکز تنظیم میں عارضی رہائش کے لیے مختص ہونے چاہئیں۔

۴۔ 'ڈائریکٹر ریسرچ اینڈ پبلی کیشنز' کی ایک پوسٹ تخلیق کی جائے جس کا دفتر مرکز تنظیم میں ہو۔ یہ صاحب علوم اور تعلیم کی اسلامی تشکیل نو اور اس سے متعلقہ علمی سرگرمیوں کو منظم کریں۔ تنظیم کے جریدے 'افکارِ معلم' کی اعلیٰ علمی معیار پر اشاعت، سابقہ کتابوں کی طبع جدید اور نئے علمی لٹریچر کی تیاری وطباعت بھی ان صاحب کی ذمہ داری ہو۔

اگر تنظیم اساتذہ پاکستان کا یہ اجلاس میری ان گزارشات پر غور فرماتا ہے تو مَیں سمجھوں گا کہ پیرانہ سالی اور بیماری کے باوجود میرا یہاں آنا اکارت نہیں گیا۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو وہ کام کرنے کی توفیق عطا فرمائیں جن سے وہ راضی ہو جائے اور آخرت میں اس کے حضور سرخرو ہو سکیں۔ وآخر دعوانا ان الحمدللہ ربّ العٰلمین۔

تعلیم و تربیت ڈاکٹر محمد ارشد[۱]

ہماری یونیورسٹیوں میں زوالِ تحقیق

رمضان المبارک کی انتیسویں شب ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کا اللہ کے حضور نالہ وفریاد

ادبیات عالم میں سیر افلاک کی روایت بہت معروف ہے۔خود مسلمانوں کے ادب میں متعدد تخیلاتی (ادبی) اور روحانی آسمانی سفر (سیر افلاک) کے نمونوں کا پتا چلتا ہے۔اس سلسلے میں عباسی عہد کے عربی کے فلسفی شاعر ابوالعلا المعری کے ’’رسالۃ الغفران‘‘،حکیم سنائی غزنوی کی مثنوی ’’سیر العباد الی المعاد‘‘، فریدالدین کی ’’منطق الطیر‘‘،شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کی ’’فتوحات مکیہ‘‘ بطور خاص قابل ذکر ہیں،جن میں جہان دیگر کی سیر وسیاحت کے احوال کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔حکیم الامت ڈاکٹر محمد اقبال بھی عالم تخیل وتصور میں متعدد بار سیر افلاک کو گئے۔بانگِ درا میں ’’سیرِ افلاک‘‘ کے عنوان سے ایک نظم ملتی ہے،جس کا پہلا شعر یوں ہے ؎

تھا تخیل جو ہم سفر میرا
آسمان پر ہوا گزر میرا

جاوید نامہ میں تو علامہ کی سیرِ افلاک (یعنی فلک قمر، فلک عطارد، فلک زہرہ، فلک شمس، فلک مریخ، فلک مشتری، اور فلک زحل) کا بہت تفصیلی بیان ملتا ہے۔اقبال نے عالم تخیل میں سیر افلاک کی تو ہر فلک پر مشرق (ہند، اور فارس وعرب) یا مغرب کی کسی نہ کسی مذہبی اور عبقری شخصیت ،فلسفی وحکیم یا مدبر ومفکر کی زیارت سے مشرف ہوئے۔فلک عطارد پر اقبال نے جمال الدین افغانیؒ اور سعید حلیم پاشاؒ کی زیارت کی اوران سے دنیائے اسلام کو درپیش تحدیات ومسائل پر تبادلہ خیال کیا۔اقبال نے اپنے اس تخیلاتی روحانی سفر (سیر وسیاحت) کے احوال کی روداد اپنے اشعار میں بیان کی۔اسی طرح عالم خواب وروٴیا میں سالکین راہ طریقت کا اس عالم فانی سے کوچ کر جانے والے نیک بندوں (اولیا وصلحا) کی زیارت سے مشرف ہونے کے تذکروں سے صوفیانہ ادب بھرا پڑا ہے۔

---

[۱] سابق صدر شعبہ دائرہ معارف اسلامی، جامعہ پنجاب، لاہور

راقم سطور کو ایک عرصے سے عالم اسلام کے ممتاز سیرت نگار اور اسلام کے قانون بین الممالک کے بلند مرتبت محقق و متخصص ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی شخصیت سے محبت وعقیدت اور ان کے علمی آثار سے والہانہ لگاؤ رہا ہے۔ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے تین سو کے لگ بھگ غیر مطبوعہ خطوط ایڈٹ کر کے شائع کرنے کی سعادت بھی راقم سطور کے حصے میں آئی۔راقم ایک رات دیر تک ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے مقالات کی فہرست (خود ان کے اپنے قلم سے مرتب کردہ) کے مطالعے میں مصروف رہا، اس دوران میں آنکھ لگ گئی اور عالم خواب میں ان کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔راقم نے ڈاکٹر صاحب کو مصلے پر کھڑے نہایت خضوع وخشوع کے عالم میں نماز ادا کرتے دیکھا۔نماز کے بعد انھوں نے ایک طول طویل دعا نہایت تضرع اور الحاح وزاری سے کی۔ ڈاکٹر صاحب نے بآواز بلند اپنے رب کے حضور نالہ وفریاد بھی کیا اور شکوہ بھی۔ان کا نالہ وفریاد اور شکوہ ایسے پاکستانی محققین سے متعلق تھا جن کے اسمائے گرامی کے ساتھ بقول ڈاکٹر ظفر اسحاق انصاری مرحوم''پروفیسر ڈاکٹر'' کا''دم چھلہ'' لگا ہوا ہے، لیکن ان کا حقیقی علمی دنیا سے دور کا بھی کوئی واسطہ نہیں۔ڈاکٹر صاحب کا نالہ وفریاد سن کر ایسے محسوس ہوا کہ وہ بعض پاکستانی فاضل محققین کے کرتوتوں سے حد درجہ آزردہ خاطر اور رنجیدہ ہیں۔اہل نظر سے یہ بات مخفی نہیں کہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ مرحوم حینِ حیات پاکستانی محققین کی تحقیقی دست درازیوں کے بڑے شاکی رہے (مدیر تکبیر صلاح الدین مرحوم کے نام خط میں صریح لفظوں میں اس کا اظہار فرمایا، جبکہ متعدد دوسرے افراد کے نام اپنے بعض خطوط میں بھی اس کی طرف اشارہ کیا)۔اس دنیا سے رخصت ہونے کے بعد بھی ان کی روح کو ان''فاضل محققین'' کی طرف سے آزار پہنچانے کا سامان تسلسل وتواتر سے کیا جاتا رہا ہے۔جس پر ان (ڈاکٹر محمد حمید اللہ) کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا، اور انھوں نے رمضان کی انتیسویں شب رب العالمین کے حضور گڑگڑاتے ہوئے نہایت تضرع اور الحاح وزاری سے نالہ وفریاد بھی کیا اور شکوہ بھی۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے اپنے رب کے حضور نالہ وفریاد میں مولانا الطاف حسین حالی کی مسدس (مسدّس مدّ وجزر اسلام) اور حکیم الامت ڈاکٹر محمد اقبال کی مشہور نظم شکوہ کا اسلوب اور پیرایہ بیان اختیار کیا ہے۔مولانا الطاف حسین حالی نے سر سید احمد خان کے ایما پر مسدس لکھی تو اس میں رسالت مآب ﷺ کی مدح ونعت کے ساتھ ساتھ امت مسلمہ کی پستی وزوال اور اس

کے اسباب ومحرکات کی بھی نشاندہی کردی۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے بھی اپنے نالہ وفریاد میں پاکستانی مسلمانوں کی علمی پستی اور انحطاط وزوال سے متعلق بہت سے تلخ حقائق بیان کرڈالے ہیں، جو اپنے اندر موعظت وعبرت کا سامان لیے ہوئے ہے۔ انھوں نے اپنے رب کے حضور جو نالہ وفریاد اور شکوہ کیا ہے، سطور ذیل میں اس کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے:

''اللّٰھم یا رب العٰلمین، اے عالم الغیب! تو دلوں کے راز خوب جانتا ہے، میں نے تیری ہی عطا کردہ توفیق سے علم ودین کی جو کچھ خدمت کی ہے، میرے دل میں کبھی اس کی نمود ونمائش کا خیال نہیں آیا، نہ ہی میرے دل میں شہرت وناموری کی کوئی آرزو اور تمنا رہی۔ البتہ جب بھی میری کسی ناچیز تحریر کو تیرے لطف وکرم سے مقبولیت حاصل ہوئی، اس سے کسی کو کوئی فائدہ پہنچا تو تیرے حضور سجدہ ریز ہوکر شکر بجالایا۔ جب بھی میرے اعزہ واحباب یا شناساؤں اور قدردانوں میں سے کسی نے میری سوانح عمری مرتب کرنے کی خواہش کا مجھ سے اظہار کیا اور اس باب میں مجھ سے میری ذاتی زندگی اور مشاغل کے بارے میں معلومات چاہیں تو میں نے ہمیشہ عذرخواہی کی، بلکہ سختی سے ٹوک دیا۔ الٰہی! یہ کیا ستم ظریفی ہے کہ میرے اس فانی دنیا سے اٹھ جانے کے بعد پاکستان میں ہرکس وناکس کسی اعلیٰ علمی مقصد سے نہیں بلکہ پست اغراض سے (محض کتاب سازی یا مقالہ بازی کے شوق میں) مجھ ناچیز کو تختۂ مشق بنانے پر تلا ہوا ہے۔ تصدیق وتوثیق اور تحقیق کی زحمت اٹھائے بغیر میری ذات اور میری ناچیز مساعی پر دھڑا دھڑ انٹ شنٹ، رطب و یابس، مقالے اور کتابیں لکھی اور چھاپی جارہی ہیں۔ کوئی اسلام کے قانون بین الممالک پر میری ناچیز تالیف ''دی مسلم کنڈکٹ آف سٹیٹ'' کو قبل از اسلام رومیوں کے قانونِ بین الممالک پر میرا تحقیقی کارنامہ قرار دے رہا ہے تو کوئی میری ایک دوسری تحریر ''انٹروڈکشن ٹو اسلام'' کو، جو میں نے نومسلموں کی اسلام کی بنیادی تعلیمات (کلمہ، وضو، نماز روزہ، اور اسلام کی اخلاقی، عائلی، سیاسی، سماجی اور معاشی تعلیمات) سے آگاہی کے لیے لکھی تھی، سیرت نبوی پر تالیف قرار دے رہا ہے۔

خدایا! میں نے تیرے دین کی جو بھی حقیر سی خدمت کی ہے، تیرے محبوب سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور تعلیمات پر جو کچھ بھی تصنیف وتالیف کیا ہے، اس میں محض تیری رضا اور خوشنودی کی طلب میرے پیش نظر رہی ہے۔ چنانچہ نہ کبھی میں نے اپنی کسی تالیف پر کسی

ناشر سے کبھی رائلٹی کا تقاضا کیا نہ ہی میرے دل میں کسی طرح کی مادی منفعت کا خیال آیا۔ البتہ جب بھی مَیں نے یہ دیکھا کہ پاکستان میں میری تالیفات غلط سلط (متن میں گڑبڑ اور کتابت کی بے شمار اغلاط کے ساتھ) چھپ رہی ہیں یا ان کے غلط سلط ترجمے چھاپے جارہے ہیں تو میں نے اس پر اپنی تشویش اور اضطراب سے ناشرین کو ضرور آگاہ کیا، مگر ہمیشہ سنی ان سنی کردی گئی۔ بدقسمتی سے پاکستان میں میری تحریروں کی طباعت واشاعت کو ایک منفعت بخش کاروبار بنالیا گیا ہے، مگر اس میں کاروباری اخلاقیات، دیانت وامانت سب کو پسِ پشت ڈال دیا گیا ہے۔ کسی نے میری تحریروں کے غلط سلط ترجمے چھاپے ہیں تو ان میں سے میرے وقتاً فوقتاً لکھے ہوئے دیباچوں (جو میں نے تالیفات کی مختلف اشاعتوں، اشاعت اول، دوم، سوم وغیرہ کے لیے لکھے تھے، اور جن میں ان تالیفات میں وقتاً فوقتاً کیے گئے حک واضافے کی نشاندہی کی تھی) کو بھی حذف کر دیا گیا ہے۔ رب العالمین! مَیں طمع و لالچ اور حرص و ہوس میں مبتلا ان مترجمین اور ناشرین کے ظلم وتعدی اور ان کی دست درازیوں سے تیری پناہ کا طلب گار ہوں۔

الٰہی! کیا اسلام کے نام پر قائم ہونے والے پاکستان میں علمی دیانت وامانت کا جنازہ اٹھ چکا؟ یوں لگتا ہے کہ اس ملک میں دنیا پرستوں کے ہاتھوں ''ڈاکٹریٹ'' اور ''پروفیسری'' کا تقدس مجروح ہی نہیں بلکہ بری طرح سے پامال ہو چکا۔ اب اس ملک کی یونیورسٹیوں نے ''ڈاکٹریٹ یافتہ جاہل'' پیدا کرنے کے کارخانوں کی شکل اختیار کر لی ہے۔ مقالات کی نگرانی اور جانچ کے عمل میں دیانت وامانت اور حق وصداقت جیسے تصورات قصۂ پارینہ اور فرسودہ واز کار رفتہ چیزیں بن کر رہ گئی ہیں۔

الٰہی! کسی نگران مقالہ کی طرف سے کسی محقق طالب علم کو تحقیقی کام کی تکمیل پر سرٹیفکیٹ (تصدیق نامہ) دینے کا حقیقی مطلب تو یہ ہے کہ نگران نے صرف اسی ڈسپلن سے متعلق تحقیقی مقالے کی نگرانی قبول کی ہے جس پر اس کو پوری مہارت حاصل ہے، اور پوری دیانت وامانت سے نگرانی کا حق ادا کیا ہے، طالب علم کی درست طور پر رہنمائی کی ہے، اس کے مقالے کو پوری محنت وسعی سے پڑھا ہے، خامیوں کوتاہیوں کی درست طور پر نشاندہی کی ہے، زبان وبیان کے نقائص دور کرائے ہیں۔ پھر مقالے کی جانچ کے لیے ایسے ممتحنین کا انتخاب کیا گیا ہے جو واقعتاً اس میدان میں دسترس رکھتے ہیں، اس میں حلقہ احباب ذوق اور ہم مسلک ومشرب ہونے

کا کوئی لحاظ نہیں رکھا گیا۔تحقیقی مقالے کی جانچ پرکھ کے لیے ممتحن کے تقرر میں دیانت وامانت اورحق وصداقت کی رعایت ناگزیر ہے۔اسی طرح ممتحن کا دینی واخلاقی فرض ہے کہ وہ حق وسچ کا گواہ بنے،جاہل کو عالم قرار نہ دے، ناکامی کے مستحق کو محض فرقہ ومسلک کی رعایت کےشوق میں یا (فی مقالہ تین چارصد ڈالروں کی طمع اورلالچ میں) خواہ مخواہ کامیاب قرار دینے پر نہ تل جائے۔وہ رپورٹ لکھنے میں عدل وقسط کےتقاضے پورے کرے۔خدا تعالیٰ کے سامنے جوابدہی کا احساس اس کو دامن گیر رہے۔آہ! بطور ممتحن فرائض انجام دینے والے بعض بھارتی احباب اورمغربی مما لک میں نام نہاد اسلامی مرکزوں کے کارپردازوں نے اس باب میں بڑا ظلم کیا ہے۔ان عاقبت نااندیشوں نے ڈالرتو خوب کمائے ہیں مگراپنی عاقبت خراب کرلی ہے،نرمی اورشفقت کے نام پرسکالرشپ کاقتل عام کیاہے۔اللہ تعالیٰ انھیں معاف فرمائے۔

الٰہی!توخوب جانتاہے کہ کسی زمانے میں پاکستان کی سرکاری یونیورسٹیوں کی طرف سے (ان دنوں پاکستان میں نجی جامعات کا تباہ کن سیلاب نہیں آیا تھا) مجھے پی ایچ ڈی کے مقالات جانچ کے لیےارسال کیے جاتے رہے۔مَیں پوری سعی وکوشش سے یہ وظیفہ سرانجام دیتا،ہرمقالے کا بالاستیعاب مطالعہ کرتا،اورمحتویات ومندرجات اوران کے مراجع ومصادر کی جانچ پڑتال کے بعدایک مفصل رپورٹ مرتب کرتا،جس میں تسامحات اورلغزشوں،کوتاہیوں کی ٹھیک ٹھیک نشاندہی کرتا، ذمہ داروں کوان کی درستی کے لیےتوجہ دلاتا، نااہلوں کے لیے ڈگری کی ہرگز طور پرسفارش نہ کرتا۔میری نظرمیں ڈاکٹریٹ کے مقالے پررپورٹ دینا گویا کسی مقدمے میں شہادت اورگواہی دیناہے۔

الٰہی! تو نے ہی اپنی کتاب قرآن حکیم میں اس بارے میں بار بارعدل وقسط سے کام لینے،حق وسچ اورقول سدید کہنے کی تلقین کی ہے۔چنانچہ مَیں نے محض تیرے حکم کی تعمیل میں، تیری رضااورخوشنودی کے لیے پی ایچ ڈی کےمقالات اوراگلے گریڈوں اوردرجوں میں ترقی کےآرزومند یونیورسٹیوں کے اساتذہ کےتحقیقی وتالیفی کام کی جانچ پرکھ اوراس کے بارے میں تحریری رپورٹ کو مطلق طور پر ''شہادت'' ہی سمجھا اوراپنے اسی اذعان کے موافق عمل کیا۔ پھرکیاہوا کہ پاکستان (جواسلام کا قلعہ ہے) میں اسلامیات اورعربی کی تعلیم وتدریس پر مامور لوگوں نےکبھی اپنی طاقت اوراثر ورسوخ کو بروئے کارلاتے ہوئے یونیورسٹی کے متعلقہ شعبہ

جات سے میری مرسلہ رپورٹوں کو غائب کرا دیا۔ اس کے بعد کسی من پسند رحم دل اور شفیق ''اسکالر'' سے جانچ کرا کے سائلین کے لیے ترقی اور بلندی درجات کا دروازہ (جسے صحیح تر معنوں میں چور دروزہ ہی کہا جانا چاہیے) کھول دیا گیا، اور دیکھتے ہی دیکھتے نااہلوں کو پروفیسری کی مسند پر بٹھا دیا گیا تاکہ وہ اپنی خداداد صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے ان یونیورسٹیوں سے علم و تحقیق کی بیخ کنی کا وظیفہ سرانجام دے سکیں۔

آج کل کے پروفیسروں کی بڑی اکثریت کی اہلیت وصلاحیت، لیاقت و قابلیت اور علمی استعداد کا عالم یہ ہے کہ ان کی ''علمی تخلیقات وتحقیقات'' کسی کتب خانے کی زینت بننے کے بجائے ردی کی ٹوکری میں پھینکنے کے لائق ہیں۔ ان جید عالم فاضل پروفیسروں کی ایک بڑی تعداد بدقسمتی سے یونیورسٹیوں میں بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہوگئی ہے اور اسلام کے قلعے پاکستان میں تاریکی کو پھیلانے، اور جہالت کو مستحکم اور لازوال بنیادوں پر استوار کرنے کے کام میں جت گئی ہے۔ ان کی مساعی بڑی تیزی سے برگ و بار لارہی ہیں اور ان کی برکت سے اعلیٰ علمی و تحقیقی ادارے خصوصاً نوزائیدہ یونیورسٹیاں علمی و تحقیق اعتبار سے یتیم خانے بن کر رہ گئی ہیں''۔

ملت اسلامیہ پاکستان کی علمی و تحقیقی حالت پر غم وافسوس کی کیفیت میں نالہ وفریاد کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب پر گریہ طاری ہوگیا اور ان کی ہچکی بندگئی۔

کچھ دیر بعد مَیں نے جسارت کرتے ہوئے ان کی خدمت میں عرض کیا کہ گزشتہ دو دہائیوں سے وطن عزیز کے پروفیسروں نے علمی و تحقیقی ترقی کے باب میں نہایت اہم کارنامے انجام دیے ہیں۔ ان پروفیسروں میں سے بطور خاص وہ اصحاب جن کی روحیں نہایت درجہ پاکیزہ اور سعید ہیں انھوں نے وطن عزیز میں خالصتاً لوجہ اللہ ''علم و تحقیق'' کے فروغ اور اسے نہایت ارفع واعلیٰ بلندیوں سے ہمکنار کرنے کی غرض سے علمی و تحقیقی تجارت اور کاروبار کی ایک نہایت درجہ انوکھی شکل متعارف کرائی ہے۔ انسانی ہمدردی کے جذبے سے سرشار ہوکر طالبین ایم فل اور ڈاکٹریٹ کی سہولت کے لیے بڑی تعداد میں ''مقالہ سازی'' کے کارخانے قائم کردیے ہیں اور ''مقالہ فروشی'' کی منڈیاں کھول دی ہیں، اور اس غرض سے بڑی تعداد میں اصلی و نسلی ''تحقیقی مجلّات'' جاری کیے ہیں۔ علمی دنیا پر ان پروفیسروں کا یہ احسان کیا کم ہے کہ

انھوں نے ریڈیو پاکستان سے نشر ہونے والے ''منڈیوں کے تازہ ترین بھاؤ'' کی پیروی میں ''مقالوں'' کے نرخ (مثلاً قلم و قرطاس اور کتاب کو مطلق طور پر منہ لگائے بغیر کسی ایک مقالے کے مصنف اول کا درجہ پانے کا نرخ ۶۵,۰۰۰، مصنف دوم کا درجہ پانے کے لیے ۵۰,۰۰۰، مصنف سوم کے لیے ۳۵,۰۰۰، چہارم کے لیے ۳۰,۰۰۰، پنجم کے لیے ۲۵,۰۰۰ اور ششم کے لیے ۱۸,۰۰۰ روپے) بھی طے کر دیے ہیں۔ اس قبیح و شنیع دھندے میں ملوث کئی ''پاکباز او رسعید روحیں'' یوٹیوب چینلوں پر قوم کو دن رات دین کی دعوت، روحانیت واخلاق، تقوی وورع اور تزکیۂ نفس کی تعلیم دینے میں مصروف ومشغول نظر آتی ہیں۔ اسلام ان عاقبت نااندیشوں کے لیے کمائی کا ایک ذریعہ اور نفع بخش کاروبار بن کر رہ گیا ہے۔

اس پر ڈاکٹر حمیداللہ نے ایک سرد آہ بھری اور فرمایا: ''اس طرح کے افراد استاذ اور پروفیسر نہیں بلکہ شاطر اور چالباز سوداگر کہلائے جانے کے مستحق ہیں جو نئی نسل کی تعلیم وتربیت کی بجائے اسے ذہنی وفکری اور علمی طور پر اپاہج بلکہ ''صم بکم و عمي ''بنانے میں مشغول ہیں۔ ان علمی وتحقیقی سوداگروں کی قبیح و شنیع کارگزاریاں پاکستان میں علم وتحقیق کو فنا کے گھاٹ اتارنے کے مترادف ہیں۔ ان نادان دنیا پرست پروفیسروں ڈاکٹروں کا یہ طرزِ عمل سعی وعمل کا جذبہ رکھنے والے نوجوانوں کو مطلق طور پر مغربی سکالرشپ کا محتاج بنا دے گا، اس پاکستانی سکالرشپ پر سے اس کا اعتماد ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اٹھ جائے گا''۔

کچھ دیر توقف کے بعد راقم نے عرض کیا کہ آنجناب پاکستانی اکیڈیمیشینز کے نام کیا پیغام دیں گے؟ فرمانے لگے ''قرآن حکیم اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تعلیم کردہ اصولوں: امانت، دیانت، صداقت، عدالت اور سعی وعمل کی سچے دل سے پیروی، اس کے علاوہ کوئی راہ نجات اور فوز وفلاح نہیں۔ مسلمان سائنس، ٹیکنالوجی، اقتصادی اور جنگی وعسکری قوت میں مغرب سے اس قدر پیچھے ہیں کہ وہ اس کا مقابلہ تو درکنار اس کے شر سے بچنے کی صلاحیت بھی نہیں رکھتے۔ مسلمان صرف اور صرف اپنے دین وعقیدے سے غیر متزلزل وابستگی، اچھے اخلاق، صالح عمال اور امانت دیانت، صداقت وعدالت جیسے قرآنی اصول (سچائی، امانت اور دیانت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تین بڑی سنتیں ہیں) پر سختی سے کاربند ہوکر اور حکمت وبصیرت سے کام لے کر ہی سیاسیاتِ عالم اور دنیائے علم وتحقیق میں عزت وآبرو کی زندگی بسر کر

سکتے ہیں ۔مگر کیا کیا جائے کہ پاکستانی ''پروفیسر ڈاکٹر سوداگروں'' کی نظر میں بے لگام حرص وہوس، طمع ولالچ اور بددیانتی ،مکر وفریب، دھوکہ اور بدعہدی پر مبنی نت نئے حیلوں کے اختیار کرنے ہی میں فوز وفلاح اور کامیابی وکامرانی اور ترقی وسربلندی کا راز مضمر ہے۔حقیقت میں یہ عزت کا نہیں ذلت کا، بقا کا نہیں فنا اور ہلاکت وبربادی کی راہ کا انتخاب ہے''۔ پروفیسر ڈاکٹر نما سوداگروں کی بداعمالیوں کے اثرات ونتائج پر اظہار تاسف کرتے کرتے ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی آواز بھرا گئی اور وہ یکا یک قبلہ رخ ہوکر نہایت درجہ خضوع اور انہماک سے اپنے رب کے حضور دعا اور مناجات میں مشغول ہوگئے۔ان کی زبان سے کچھ اس طرح کے الفاظ نکلے:

''الٰہی! تیرے حضور شکوہ کناں ہوں کہ عاقبت نا اندیش دنیا پرستوں کی نادانیوں اور حماقتوں کی وجہ سے پاکستان میں اسکالرشپ فنا کے گھاٹ اتر کر کالمعدوم ہوگئی ہے۔آج اسلام کو اصل خطرہ یہود ونصاریٰ اور معاند مستشرقین سے نہیں بلکہ ان نیم خواندہ بلکہ جاہل ڈاکٹروں اور پروفیسروں سے ہے۔میری نظر میں تو پاکستانی جامعات کی تحقیقی ڈگریوں کی حیثیت ہی مشکوک ہوکر رہ گئی ہے۔آہ! اس سے بڑھ کر بدقسمتی کی بات کیا ہوسکتی ہے کہ آج اسلامیات اور عربی زبان وادب کے کسی بھی پہلو سے کسی اچھے اور معیاری تحقیقی کام کا کوئی نمونہ دیکھنا ہو تو وہ پاکستان میں نہیں بلکہ یہود ونصاری ہی کے مما لک کی جامعات میں مل سکتا ہے۔ایک اچھے اور معیاری تحقیقی کام کے لیے جس سعی وکاوش اور پتا ماری کی ضرورت ہے پاکستان میں وہ جنس نایاب ہو چکی۔جب کسی قوم، خاص طور پر اسلام کے نام لیواؤں کے ہاں سے دیانت وامانت اور حق وصداقت کا جنازہ اٹھ جائے تو اس کا انجام اس کے سوا کیا ہوسکتا ہے''۔

الٰہی! تو خوب جانتا ہے، پاکستان وہند سے مجھے بہت سے کرمفرماؤں کی طرف سے رسائل وکتب بطور ہدیہ ارسال کیے جاتے رہے۔میں نے ہمیشہ اپنا کثیر وقت صَرف کر کے ان کا مطالعہ کیا اور ان میں تسامحات اور لغزشوں سے اپنے ان کرمفرماوں کو آگاہ کرنے کا اہتمام کیا۔مَیں نے بارہا اپنے کرمفرماؤں سے عذرخواہی کی کہ مجھے بنا طلب کیے اس طرح کی چیزیں نہ بھیجی جائیں اور اس زحمت سے مجھے معاف رکھا جائے لیکن لوگوں نے ہمیشہ سنی ان سنی کردی۔ چنانچہ نہ صرف یہ کہ اکثر وپیشتر میرا قیمتی وقت ان لایعنی اور مہمل چیزوں کے پڑھنے اور تحریری طور پر ان کے تسامحات اور لغزشوں کی نشاندہی کرنے میں ضائع ہوتا رہا بلکہ میری معمولی سی

آمدنی (مجھے ایک پناہ گزین کے طور پر حکومت فرانس کی طرف سے دیے جانے والے سرکاری الاؤنس) کا کثیر حصہ ڈاک کی ٹکٹوں پر خرچ ہوتا رہا۔ اس پر مستزاد یہ کہ حق گوئی کی پاداش میں خواہ مخواہ لوگوں کی ناراضی بھی مول لینا پڑی۔ بعض نادانوں بلکہ کم ظرفوں کے دلوں میں میرے بارے میں کینے اور بغض نے مستقل طور پر جگہ پالی۔ اردو کے ایک ادیبِ شہیر کو انگریزی زبان میں ترجمہ وتفسیر قرآن کا سودا سمایا، تو اس کا ایک پارہ ملاحظے اور رائے کے لیے مجھ ناچیز کو بھی بھیجا گیا۔ میں نے اچھا خاصا وقت صَرف کر کے اپنی استعداد اور سمجھ بوجھ کے مطابق اس میں موجود لغزشوں اور تسامحات کی نشاندہی کی تو وہ صاحبِ ترجمہ وتفسیر میری عداوت پر اتر آئے، اور میری تحقیر وتنقیص کا کوئی موقع کبھی ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ لیکن میں نے اپنے ان نادان کرم فرماؤں کی طرف سے روا رکھے گئے ''حسنِ سلوک'' کے بارے میں ہمیشہ چشم پوشی سے کام لیا۔

یا رب العلمین! میں تیرے جملہ اسمائے حسنہ اور تیرے محبوب سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وسیلہ بنا کر تیرے حضور فریاد کرتا ہوں کہ تو مجھے پاکستانی ستمگر ظالم محققین ومولفین، خصوصاً پاکستان کی سرکاری یونیورسٹیوں کے پروفیسروں ڈاکٹروں، کی تحقیقی دست درازیوں اور ظلم و تعدی سے بچالے۔ اے اللہ! یہ ستمگر محققین غایت درجہ جہل اور نادانی کے سبب کبھی بزرگ مصنف ومولف بننے کے شوق میں اور کبھی ''تحقیق وتخریج'' کے نام پر میری متفرق تحریروں کے مجموعے، ترتیب وتدوین کے آداب ومراسم سے بے نیاز ہو کر نہایت بے ڈھنگے طریقے سے مرتب کر کے شائع کر رہے ہیں۔ کبھی اعلیٰ تحقیقی ڈگریوں (ایم فل، پی ایچ ڈی) کی حرص وطمع میں، کبھی اگلے گریڈوں میں ترقی کے لیے کبھی محض مقالہ بازی کے شوق میں اپنے ''منحوس تحقیقی مقالات'' اور ''تالیفات کثیفات'' [تالیف لطیف کا متضاد تالیف کثیف جو ہوا] میں میری طرف ایسی ایسی باتیں منسوب کرتے ہیں جو مَیں نے سرے سے اپنی ناچیز تالیفات میں بیان ہی نہیں کی ہیں، یا میری تحریروں کو سمجھے بغیر ان کا نہایت درجہ مسخ شدہ مفہوم ومطلب اپنے لفظوں میں کچھ اس پیرائے میں بیان کرتے ہیں کہ بات کا بتنگڑ بن کر رہ جاتا ہے۔ اے اللہ یہ ظالم ستمگر محققین نہ صرف یہ کہ تحقیقی آداب ومراسم سے عاری ہیں بلکہ کوئی سی زبان (غیر ملکی زبانیں تو کجا اپنی قومی زبان اردو) بھی درست طور پر لکھنے کی استعداد نہیں رکھتے۔ اور تو اور یہ محققین میری اردو تحریروں کو بھی ٹھیک طور پر سمجھنے سے معذور ہیں۔ (بقیہ صفحہ نمبر: ۱۲)

تعلیم و تربیت

حافظ محمد عمران طحاوی

موجودہ نظامِ تعلیم میں وقت کا ضیاع

اس بات سے کسی کو انکار نہیں کہ تعلیم ہماری زندگی میں بڑی اہمیت رکھتی ہے۔اسلام میں بھی تعلیم و تعلم پر زور دیا گیا ہے۔قرآن کی پہلی وحی اقراء یعنی پڑھو سے شروع ہوتی ہے لہٰذا اسلام تو تعلیم پر زور دیتا ہے مگر اس کے ساتھ یہ بھی یاد رہے کہ اسلام میں دین و دنیا کی تعلیم میں کوئی فرق نہیں رکھا گیا۔یہ تقسیم اور ثنویت ہمارے نظامِ تعلیم میں ہمارے دشمنوں کی کارستانی ہے۔

ہمارا آج کا عنوان تعلیم میں وقت کا ضیاع ہے اس سے کوئی ہرگز یہ نہ سمجھے کہ ہم یہ کہنا چاہ رہے ہیں کہ تعلیم حاصل کرنا وقت کو ضائع کرنا ہے۔حاشا وکلاّ ایسا ہرگز نہیں بلکہ ہم تو یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ہمارے موجودہ تعلیمی نظام میں جو اب مقصدیت سے خالی ہو کر محض کمرشل بنیادوں پر چلایا جا رہا ہے، ہمارے بچوں کے قیمتی وقت کا بہت زیادہ ضیاع ہو رہا ہے۔۳۶۵ دن کے سال میں ہم بمشکل ۱۶۰ دن سکول پڑھاتے ہیں۔کبھی سموگ کی چھٹیاں، پھر گرمی کی چھٹیاں، سرکاری چھٹیاں، دسمبر کی چھٹیاں، پھر اگر بچے امتحانات دے لیں تو نتائج کے لیے دو تین ماہ انتظار، پھر داخلوں میں تاخیر یُوں بچوں کے قیمتی وقت کے ضیاع پر ہمیں توجہ کی ضرورت ہے۔ ہمارے سکولز ایک طرف تو اب یہ چاہتے ہیں کہ بچہ جب ٹھیک طرح سے بولنا شروع کر دے تو ہمارے پاس لے آیئے ہم اسے پلے گروپ(Play group) میں داخل کریں گے، کھیل کھیل میں بہت کچھ سکھا دیں گے اگرچہ یہ محض دعویٰ ہی دعویٰ ہے۔دوسری طرف ماہرین نفسیات کہتے ہیں کہ یہ بچے کے ساتھ ظلم ہے۔

بچہ محبت بھرے ماحول میں سب سے زیادہ اپنے ماں باپ سے سیکھتا ہے۔زبان کے ساتھ ساتھ آداب و اخلاق اسے ماں کی ممتا اور باپ کی پدرانہ شفقت عطا کرتی ہے۔بچے کی تخلیقی صلاحیتیں ماں باپ کے زیر اثر پھلتی پھولتی ہیں۔سکول کا یکسانیت سے بھرپور ماحول اسے یکسانیت پر مجبور کر رہا ہوتا ہے جبکہ ہر انسان منفرد پیدا ہوتا ہے۔اتنی چھوٹی عمر میں سکولنگ انفرادیت کے قتل کے مترادف ہے۔اقامت صلوٰۃ اسلام میں ایمان لانے کے بعد سب سے

اہم رکن ہے۔قرآن میں سب زیادہ زور بھی اقامت صلوٰۃ پر ہے۔اتنا اہم معاملہ ہونے کے باوجود بچے کو سات سال کی عمر ہو جانے پر صلوٰۃ کا حکم ہے اگر چہ اقامت صلوٰۃ بھی اجتماعی ماحول میں تربیت کا ایک مستقل نظام دیتی ہے۔مگر کیا کیجیے کہ جب تعلیم انڈسٹری بن چکی ہو تو ایسا تو ہوگا ہی۔انڈسٹریلائزیشن میں انسان کو بھی ٹول ہی سمجھا جاتا ہے بقول اقبال ؎

ظاہر میں تجارت ہے، حقیقت میں جُوا ہے
سُود ایک کا لاکھوں کے لیے مرگِ مفاجات
یہ عِلم، یہ حِکمت، یہ تدبُّر، یہ حکومت
پیتے ہیں لہُو، دیتے ہیں تعلیمِ مساوات
بے کاری و عُریانی و مے خواری و اِفلاس
کیا کم ہیں فرنگی مَدنیّت کے فتوحات
وہ قوم کہ فیضانِ سماوی سے ہو محروم
حد اُس کے کمالات کی ہے برق و بخارات
ہے دل کے لیے موت مشینوں کی حکومت
احساسِ مروّت کو کُچل دیتے ہیں آلات

انسانی قدروں سے خالی اس تعلیمی نظام کا ہی یہ سب کیا دھرا ہے کہ اب والدین صبح نماز کے لیے تو اٹھتے نہیں جب کہ قدرت کے شاہکار اپنے نونہالوں کو اس انڈسٹری کی پروڈکٹ بنانے کے لیے اٹھ جاتے ہیں جو مستقبل کے مردانِ حُر کو غلامانِ دنیا بنانے پر تُلے ہوئے ہیں۔ یہ کام جانے اَن جانے دونوں طرح کے مدارس (دینی مدارس اور عصری تعلیم کے سکولوں) میں جاری ہے لہٰذا ایک طویل عرصہ سے امت میں رجال کار کی تیاری بند ہو چکی ہے۔استعمار کی یہی خواہش تھی جس میں اب وہ ہر جگہ کامیاب ہو چکا ہے۔ ہر جگہ قیادت کا بحران ہے یہ بحران ہمارے تعلیمی نظام کا پیدا کردہ ہے ؎

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا
افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

گویا ہمارا یہ نظامِ تعلیم ہمارے بچوں کی قیادت کا قتل کر کے ملازمت کا خُوگر بناتا ہے اور

یہی ہر دور کے فرعون کی خواہش رہی ہے ہم سے ہمارے خون پسینے کی کمائی لے کر تعلیم کی یہ انڈسٹری ملٹی نیشنل کمپنیوں کے لیے ملازم (دورِ جدید کے ڈیجیٹل غلام) پیدا کرتی ہے۔ لہٰذا یہ ضروری ہے کہ بچوں کو چھ سال تک گھر میں ایک معیاری ماحول مہیا کیا جائے جس میں وہ زبان اور آداب و اخلاق سیکھ جائیں۔ بہتر یہی ہے انہیں باہر کی ہوا نہ لگائی جائے وگرنہ باہر کا رنگ چڑھ جانے کا قوی امکان ہے۔ ماہرین نفسیات کا بھی یہ ماننا ہے کہ بچے کی شخصیت کا بننا چھ سال کی عمر تک ہی ہوتا ہے شاید یہی وجہ ہے کہ فن لینڈ جیسے مغربی ملک میں بھی جس کا تعلیمی نظام دنیا بھر میں مانا جاتا ہے، وہاں پر چھ سال سے پہلے بچے کو سکول نہیں بھیجا جاتا۔

تعلیم میں اگرچہ مقاصدِ تعلیم کو بڑی اہمیت حاصل ہے تاہم سچ پوچھا جائے تو آغاز میں پڑھنے لکھنے اور سمجھنے کی اہلیت پر ہی فوکس کیا جاتا ہے کیونکہ اس کے بغیر دیگر مقاصد کی تکمیل ناممکن ہے۔ تاہم ہمارے نظامِ تعلیم میں صرف پڑھنے لکھنے کی قابلیت پیدا کرنے میں اتنے سال ضائع کر دیے جاتے ہیں جس کی چنداں ضرورت نہیں ہوتی۔ ہمارے ہاں پرائمری کرنے میں آٹھ سال ضائع ہو جاتے ہیں۔

تمام دنیا اس بات کو مانتی ہے کہ بچے کو تعلیم اس کی مادری زبان میں دی جانی چاہیے۔ دوسری زبان کا بوجھ اس کے نازک کندھوں پر ڈالنا بہت بڑا ظلم ہے لیکن ہم فکری غلاموں کے اس ملک میں بچے کو آغاز ہی سے انگریزی سکھانا اولین ترجیح قرار پاتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بچہ ایک لمبے عرصے تک زبان و تحریر کی پزلز (Puzzles) میں پھنسا رہتا ہے جس سے اس کی تخلیقی صلاحیتیں دم توڑ جاتی ہیں۔ بہتر یہ تھا کہ انگریزی کو پرائمری کے بعد شروع کیا جاتا۔ تاریخ شاہد ہے ہمارے ملک کی وہ کلاس جس نے پرائمری کے بعد انگریزی پڑھی تھی وہ ناکام نہ تھی بلکہ ان میں بہت سے ایسے نام ہیں جو اپنے اپنے شعبوں میں اپنی مثال آپ تھے مگر اس بے تکی تبدیلی نے ہمارے بچوں کو ناکارہ کر دیا ہے۔ ہمارے اکثر بچے پرائمری میں آٹھ سال لگانے کے بعد اچھی اردو نہیں پڑھ سکتے۔ اردو ادب سے لگاؤ نہ ہونے کی بنا پر وہ اپنے عظیم ادبی ورثہ سے محروم رہ جاتے ہیں اور انگریزی میں بھی خام رہتے ہیں۔

نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم
نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

ہمیں بتایا جائے کہ پرائمری میں بدیسی زبان کو لازم کرنا کس کس ملک میں رائج ہے؟

دوسری اہم بات یہ ہے کہ 16 سالہ تعلیم کی تکمیل میں بچے کو 19 سال سے زیادہ لگ جاتے ہیں۔ یوں بچہ اس رسمی تعلیم کے حصول میں اپنی عمر کے بہترین قیمتی سال ضائع کر دیتا ہے جبکہ ایک بچے کی بہترین عمر 17 ـ18 برس ہے جب وہ خود اور اس کا عزم جوان ہوتا ہے۔ وہ کچھ بڑا کرنے کا پوٹینشل رکھتا ہے۔ دنیا کی تاریخ اٹھا کر دیکھیے بڑے بڑے کارنامے انجام دینے والے لوگ جن میں سکندر اعظم بھی شامل ہے، اس عمر میں ہی اپنی فتوحات پر نکلتے تھے۔ سکندرِ اعظم نے 20 سال کی عمر میں فتوحات کا آغاز کیا۔ محمد بن قاسمؒ نے فتوحات کا اغاز 17 سال کی عمر میں کیا۔ اسی طرح جب حضرت اسامہ بن زیدؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے وصال سے قبل سالار لشکر بنایا اور بزرگ صحابہ کرامؓ کو بھی ان کی سالاری میں نکلنے کا حکم فرمایا تو ان کی عمر بھی اتنی ہی تھی لہٰذا ان مسائل کو حل کرنے کی خاطر ہماری تجاویز درج ذیل ہیں:

۱۔ پرائمری سطح پر انگریزی زبان نہ پڑھائی جائے۔

۲۔ ہمارے پرائمری سکول کا عرصہ کم کیا جائے جو کہ آٹھ سال بن جاتا ہے۔ بچے کو ۶ سال کی عمر میں پہلی جماعت میں داخل کیا جائے اور پری سکول کا دورانیہ صرف ایک سال ہو۔ باقی پانچ سالہ پرائمری کو تین سالوں میں نمٹا دیا جائے۔

۳۔ اسی طرح میٹرک تک کا جو عرصہ پانچ سال میں مکمل ہوتا ہے اسے بھی تین سال میں مکمل کیا جا سکتا ہے۔

۴۔ ہائر ایجوکیشن کے معاملے میں پانچ چھ سال لگائے جا سکتے ہیں تا کہ بچہ اپنے ذوق کے مطابق تعلیم کی تکمیل کرے اور اپنے میدان میں کامیابی کے مدارج طے کر سکے۔

امید ہے کہ ہمارے ماہرین تعلیم ان تجاویز پر غور کریں گے تا کہ بچے 18 ـ19 برس تک 16 سالہ تعلیم مکمل کر لیں اور اپنے عزم وقوت سے اپنی قیادت کا لوہا منوا سکیں۔ انہیں ملازمت کے لیے نہیں بلکہ قیادت کے لیے تیار کرنا وقت کی ضرورت ہے۔

خودی کو غلامی سے آزاد کر
جوانوں کو پیروں کا استاد کر

تعلیم و تربیت

زبیدہ مصطفیٰ

کیا ہوم وَرک مفید ہے؟

حال ہی میں والدین نے مشاہدہ کیا کہ ان کا سات سالہ بچہ ہوم ورک کیسے کرتا ہے تو انہوں نے چند دلچسپ باتیں نوٹ کیں۔ بچے کو وہ کام کرنے میں مزہ آتا تھا جو اس کی دلچسپی کا باعث بنتے لیکن وہ ہوم ورک کرنے کے لیے اسے حوصلہ افزائی کی ضرورت پڑتی جو اسے پسند نہیں تھے۔ والدین نے سوچنا شروع کیا کہ کیا واقعی تمام طلبہ کے لیے ایک قسم کا ہوم ورک موزوں ہوسکتا ہے؟

کسی بھی استاد کے لیے اپنے تمام طلبہ کی مختلف تعلیمی ضروریات اور دلچسپیوں کو پورا کر پانا ناممکن ہے۔ ہمارا تعلیمی نظام اس طرح ترتیب دیا گیا ہے کہ ہر طالب علم کے ساتھ یکساں سلوک کیا جاتا ہے۔ ہمارے تعلیمی اداروں میں ایک اسمبلی لائن سسٹم ہے جس کے تحت ہر بچے کی منفرد خوبیوں کو نظر انداز کرتے ہوئے، تمام کو ایک ہی طریقہ اختیار کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ بہت سے والدین جو اپنے بچوں پر خصوصی توجہ دیتے ہیں، اب وہ اس مسئلے کا حل تلاش کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

پہلا سوال یہ پوچھا جاسکتا ہے کہ ایک بچے کو اپنے دن کا تقریباً ایک چوتھائی حصہ مطالعہ، کتابیں پڑھنے اور اپنی مشق کی کتابوں میں کیوں صرف کرنا پڑتا ہے؟ یہاں میں پرائمری اسکولز کے ان چھوٹے بچوں کی بات کر رہی ہوں جن کی عمریں عام طور پر 10 سال سے کم ہوتی ہیں۔ میں نے اس پر غور کرنے کا فیصلہ کیا اور ایک پرائمری اسکول ٹیچر سے دریافت کیا کہ کیا وہ اپنے طلبہ کو ہوم ورک دیتی ہیں؟

میرے سوال نے ٹیچر کو حیران کیا۔ انہوں نے وضاحت کی کہ انہیں کچھ نیا سکھانے کے بعد ہوم ورک دینا پڑتا ہے تاکہ یہ یقینی بنایا جاسکے کہ طالب علم اسے اچھی طرح سمجھ چکے ہیں۔ یوں ہوم ورک دینے سے کلاس میں جو کچھ سیکھا اس کا جائزہ لینے میں مدد ملتی ہے۔

اب حیران ہونے کی باری میری تھی کیونکہ وہ واضح طور پر بچوں کے سیکھنے کے عمل سے متعلق نہیں سمجھتیں۔ان کی سوچ یہ ہے کہ جیسے ٹیچر بچے کے دماغ میں معلومات اس طرح منتقل کر رہا ہے جیسے جگ سے گلاس میں پانی انڈیلا جاتا ہے۔لیکن بچے اس طرح نہیں سیکھتے۔وہ اپنے تجربات اور تجسس کے ذریعے سیکھتے ہیں۔

کم عمر بچوں کے یہ تجربات ہیں جو علم حاصل کرنے میں ان کی مدد کرتے ہیں۔ان کا فطری تجسس ان کی ذہنی صلاحیتوں کو بنانے میں مدد کرتا ہے۔علم ایسی چیز نہیں ہے جسے صرف زبانی طور پر سکھایا جا سکتا ہو بلکہ ایک بار بچہ کچھ سیکھ لیتا ہے تو وہ اسے نہیں بھولتا۔انہیں یاد رکھنے کے لیے ہوم ورک کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ہر بچہ ایک دوسرے سے مختلف ہوتا ہے اور ان کی نشوونما منفرد ہوتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ کچھ بچے جن چیزوں میں دلچسپی لیتے ہیں، کچھ بچوں کو وہی چیزیں بورنگ لگ رہی ہوتی ہیں۔

یہ بنیادی حقائق ہیں کہ بچے قدرتی طور پر کیسے سیکھتے ہیں اور ہمیں انہیں کبھی بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔اگر ہم فطرت کے خلاف جاتے ہیں اور ان اصولوں پر زور دیتے ہیں جو بے معنی ہیں تو بچہ مزاحمت کرے گا اور اس کی تعلیم میں حقیقی دلچسپی پیدا نہیں ہوگی۔

اگر ایک استاد کا خیال ہے کہ بچے کو یہ یاد رکھنے کے لیے ہوم ورک کرنے کی ضرورت ہے کہ اسے کلاس میں کیا پڑھایا گیا ہے تو ہمیں استاد کے طریقۂ تدریس پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔

یہ بات دنیا بھر میں مانی جاتی ہے کہ چھوٹے بچے کھیل کے ذریعے زیادہ بہتر انداز میں سیکھتے ہیں لیکن ہمارے یہاں کتنے اسکولز ایسے ہیں جن میں کھیل کے میدان موجود ہیں یا وہاں ایسے طریقے اپنائے جاتے ہیں جو بچوں کو جلدی اور موثر انداز میں سیکھنے میں مدد کرتے ہیں؟ افسوس ناک بات یہ ہے کہ جسمانی مشق پر توجہ نہیں دی جاتی حالانکہ یہ بچے کی دماغی نشوونما کے لیے بہت ضروری ہے۔

کراچی کے ایک معروف سکول کے پرائمری سیکشن میں نہ تو ہوم ورک دیا جاتا ہے اور نہ

ہی امتحانات ہوتے ہیں۔ یہاں بچے خوش ہیں اور اچھی طرح سے ایڈجسٹ کرتے ہیں۔ وہ استاد کی خواہش کے مطابق ان چیزوں کا مطالعہ کرنے پر مجبور نہیں ہوتے۔ یوں انہیں بہت کچھ سیکھنے کا موقع ملتا ہے۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ ٹیچرز نے اس بات کو یقینی بنایا ہے کہ بچوں کو انتخاب کا حق حاصل ہو جس کی وجہ سے وہ تعلیم میں لطف محسوس کرتے ہیں۔

ان ماہرین تعلیم اور والدین کو بتاتے چلیں جو مغربی تعلیمی نظام کو بچوں کے لیے مثالی سمجھتے ہیں۔ میرے پوتے پوتیاں جب پرائمری اسکول میں تھے تو میں نے ان سے ان کے ہوم ورک کے متعلق پوچھا۔ کینیڈا میں مقیم میری پوتی نے ایک لمحے کے لیے سوچا اور پھر مجھے بتایا کہ اسے ہفتے میں ایک ہوم ورک اسائنمنٹ ملا ہے جسے ختم کرنے کے لیے ایک ہفتے کا وقت دیا گیا ہے۔ میں نے پوچھا کہ اسے مکمل کرنے میں اسے کتنا وقت لگے گا؟ تو میری پوتی نے جواب دیا، 10 یا 15 منٹ سے زیادہ نہیں۔

برطانیہ میں میری پوتی نے بتایا کہ پیر کو ہوم ورک کا دن تھا اور انہیں نئے سوالات دیئے گئے جنہیں مکمل کرنے کے لیے ایک ہفتے کا وقت دیا گیا ہے۔ بچوں نے اگلے پیر کو جوابات جمع کروائے اور کسی نے کام کے بوجھ کی شکایت نہیں کی۔

تو کیا ہمارے بچے اتنے ہوشیار نہیں ہیں کہ وہ روزانہ بنا کسی مشکل کے اپنا ہوم ورک کر سکیں؟ کیا ہمارے اساتذہ میں کوئی خرابی ہے؟ یا مسئلہ خود ہمارا تعلیمی نظام ہے؟

ایک اور چیز جو بچے کی فطری تعلیم کی راہ میں حائل ہوتی ہے وہ اسے سکھانے کے لیے استعمال کی جانے والی زبان ہے۔ اگر ایسی زبان جس سے بچہ واقف نہیں ہے ان پر زبردستی مسلط کی جائے تو یہ ان کی ذہنی نشوونما کو متاثر کر سکتی ہے۔ اس صورت میں خود سے سیکھنے کا عمل مشکل بن جاتا ہے اور بچہ روٹ لرننگ یا رٹے پر انحصار کرنے لگتا ہے جسے مسلسل دہرانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کے لیے ہوم ورک ضروری ہو جاتا ہے۔

(روزنامہ ڈان، کراچی، ۶ فروری ۲۰۲۵ء)

دینی تحریکیں

خورشید انجم

پاکستان کی دینی سیاسی جماعتوں کے لیے متبادل پروگرام

مدیر البرہان کے مضمون پر تنظیمِ اسلامی کا مؤقف

محترم ومکرم جناب ڈاکٹر محمد امین صاحب
مدیر البرہان، لاہور

* آپ نے اپنے ماہنامہ البرہان میں الیکشن ۲۰۲۴ء میں دینی سیاسی جماعتوں کی شکست پر تبصرہ فرمایا ہے اور پاکستان کی دینی وسیاسی جماعتوں کے لیے متبادل پروگرام ’’سافٹ انقلاب بذریعہ کلی اصلاح‘‘ کا مشورہ یا منصوبۂ عمل بھی دیا ہے۔

* آپ کا تبصرہ جزوی طور پر کسی حد تک درست ہے تاہم آپ نے اپنے مضمون میں تنظیم اسلامی کے طریقۂ انقلاب پر بھی تنقید کی ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ نے ہماری فکر کا پوری طرح مطالعہ نہیں کیا۔

* آپ سے گزارش ہے کہ آپ ہماری فکر کا دوبارہ تفصیلی مطالعہ فرمائیں۔ اس کے علاوہ آپ کے مضمون پر ایک تبصرہ مراسلۂ ہٰذا کے ساتھ منسلک ہے۔ اُمید ہے کہ آپ صحافت کے پیشہ ورانہ تقاضوں کو مدّنظر رکھتے ہوئے ہمارا تبصرہ بھی مِن وعَن اپنے رسالہ میں شائع کر دیں گے۔

خورشید انجم
مرکزی ناظم نشر واشاعت، تنظیم اسلامی

محترم ڈاکٹر محمد امین صاحب، مدیر ماہنامہ البرہان نے اپنے ایک مضمون میں انتخابات 2024ء میں دینی سیاسی جماعتوں کی شکست پر تبصرہ کرنے کے بعد پاکستان میں کام کرنے والی دینی تحریکوں کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے: ایک انقلابی و جہادی اور دوسری تصوف وتبلیغ۔ انہوں نے ان تحریکوں کی ناکامی کا بہت احسن انداز میں تجزیہ پیش کرنے کے ساتھ ساتھ

اقامت دین کی تحریک کے بانی مولانا مودودیؒ کی برپا کردہ جماعت اسلامی کی ناکامی کی دیگر وجوہات کے ساتھ جوسب سے بڑی وجہ بیان کی ہے، وہ یہ کہ انہوں نے صرف سیاسی جدوجہد سے پاکستان میں اقامت دین کے لیے کام کی منصوبہ بندی کی، حالانکہ مسلمانوں کے عروج کا سبب اور نبی کریم ﷺ کی کامیابی کے پیچھے وہ فارمولا تھا جس میں آپ ﷺ نے ہدایت الٰہی کی روشنی میں تعلیم کتاب وحکمت اور تزکیہ نفس کے ذریعے افرادسازی کی، یعنی افراد کی تعمیر سیرت وکردار کا کام کیا۔ اس کے بعد وہ آگے چل کر لکھتے ہیں کہ ڈاکٹر اسرار احمدؒ، مولانا مودودیؒ کے تصور اقامت دین اور اظہار دین بذریعہ سیاسی جدوجہد کے قائل تھے، تاہم انہوں نے مولانا مودودیؒ کی انتخابی جدوجہد کی مخالفت کی اور اپنی الگ جماعت 'تنظیم اسلامی' کے نام سے بنائی لیکن تبدیلی بذریعہ تعلیم کتاب وحکمت اور تزکیہ نفس کو نہ اپنانے اور مولانا مودودی کے مخصوص تصور اقامت دین اور انقلاب بذریعہ سیاسی جد و جہد کو اپنانے کی وجہ سے وہ بھی ''سٹیٹس کو''(Status Quo) کو تبدیل نہ کر سکے۔

ڈاکٹر امین صاحب کا یہ تجزیہ تو بالکل درست ہے کہ جماعت اسلامی انتخابات کے ذریعے تبدیلی لانا چاہتی ہے اور تنظیم اسلامی بذریعہ احتجاج، لیکن یہ بالکل ادھورا اور نامکمل بلکہ سطحی تجزیہ ہے۔ اگر وہ ڈاکٹر اسرار صاحب کی کتاب ''تحریک جماعت اسلامی'' جو انہوں نے جماعت سے نکلنے کے بعد تحریر کی تھی، کا بغور مطالعہ کریں تو ان پر واضح ہو جائے گا کہ آج سے کم وبیش 70 سال قبل انہوں نے یہ تجزیہ کیا تھا کہ انتخابات میں حصہ لینے کے بعد جماعت اسلامی کے ارکان کے اخلاقی اور روحانی معیار میں کمی آنی شروع ہو گئی تھی۔ اس کے بعد 1967ء میں تنظیم اسلامی کے قیام کی پہلی کوشش کے موقع پر جو قرارداد تاسیس لکھی گئی (جواب تنظیم اسلامی کی بنیادی فکر کا مستقل حصہ ہے) اس میں بھی سب سے پہلا پیراگراف یہی تحریر کیا گیا کہ '' آج ہم اللہ کا نام لے کر ایک ایسی اسلامی تنظیم کے قیام کا فیصلہ کرتے ہیں جو دین کی جانب سے عائد کردہ جملہ انفرادی واجتماعی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے میں ہماری مدد ومعاون ہو۔ ہمارے نزدیک دین کا اصل مخاطب فرد ہے، اس کی اخلاقی وروحانی تکمیل اور فلاح ونجات دین کا اصل موضوع ہے، اور پیش نظر اجتماعیت اصلاً اس لیے مطلوب ہے کہ وہ فرد

کواس کے نصب العین یعنی رضائے الٰہی کے حصول میں مدد دے۔''

اس کے بعد 1968ء میں ڈاکٹر صاحب نے ''اسلام کی نشاۃِ ثانیہ: کرنے کا اصل کام'' کے عنوان سے ایک مضمون تحریر کیا، جس میں ایک طرف مغرب کے ہمہ گیر استیلاء کو موضوعِ بحث بنایا اور دوسری طرف مسلمانوں کی مغلوبیت کی وجوہات بیان کرنے کے ساتھ ساتھ اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کے لیے علمی وعملی کام کی اہمیت واضح کی۔ مزید برآں جماعت اسلامی اور دیگر انقلابی تحریکوں کی ناکامی کی وجوہات کا ذکر ''تعبیر کی کوتاہی'' کے عنوان سے کرتے ہوئے لکھا کہ ''ان تحریکوں کی ناکامی کا سبب بظاہر تو یہ ہے کہ انہوں نے اپنے اپنے ملکوں میں سوچنے سمجھنے والے لوگوں کی معتدبہ تعداد کے ذہنوں کو بدلے بغیر سیاست کے میدان میں قدم رکھ دیا، جس کے نتیجے میں قومی قیادتوں اور ترقی پسند عناصر سے قبل از وقت تصادم کی نوبت آ گئی لیکن درحقیقت ان کی ناکامی براہ راست نتیجہ ہے ان کے تصورِ دین کی خامی اور مطالعۂ اسلام کے نقص کا۔''

اس کے بعد لکھتے ہیں کہ ''ذرا دقتِ نظر سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان تحریکوں کا مطالعۂ اسلام اسی مغربی نقطہ نظر پر مبنی ہے، جس میں روح پر مادے اور حیاتِ آخروی پر حیات دنیوی کو فوقیت حاصل ہے۔ چنانچہ اسلام کے ان ماوراالطبیعیاتی اعتقادات کا اقرار تو ان کے یہاں موجود ہے، جن کے مجموعہ کا نام ایمان ہے، لیکن انہیں کچھ زیادہ درخورِ اعتناء اور لائقِ التفات نہیں سمجھا گیا، اور نگاہیں صرف اس ہدایت ورہنمائی پر مرکوز ہیں جو حیات دنیوی کے مختلف شعبوں کے لیے اسلام نے دی ہیں، اور جن کے مجموعہ کا نام اسلامی نظام زندگی رکھا گیا ہے۔''

اس کے علاوہ ڈاکٹر صاحب نے ''اسلام کے اخلاقی وروحانی نظام'' کے عنوان سے ایک خطاب میں (جواب کتابی صورت میں دستیاب ہے) لکھا ہے کہ ''اس دور میں جو احیائی تحریکیں پے در پے ناکامیوں سے دوچار ہورہی ہیں، میرے نزدیک اس کا سب سے بڑا سبب یہی ہے کہ ایمان کی وہ منزل، یعنی ایمان کا وہ درجہ جس میں ایمان یقین کی حد کو پہنچ جائے، وہ ایک Burning Faith اور ایک Living Faith کی شکل اختیار کرلے، اور اس کی

حرارت انسان کو اپنے باطن میں محسوس ہو، یہ کیفیت نہیں ہے۔ بلکہ کچھ قیل وقال، کچھ فلسفیانہ و متکلمانہ گفتگو اور کچھ دلیل واستدلال سے کوئی بات ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، اور اس کے نتیجے میں کچھ آگے چلتے بھی ہیں تو تھوڑے ہی عرصہ میں ہمت جواب دے جاتی ہے۔ وہ استقامت جو محبت خداوندی سے پیدا ہوتی ہے، غیر موجود ہے۔ اگر پاؤں وہاں جمے ہوئے نہیں ہیں تو استقامت ممکن نہیں۔''

اس کے بعد اس کتابچہ کے آخر میں لکھتے ہیں کہ ''بعض دینی جماعتوں کے ہاں لفظ ''نصب العین'' غلط طور پر استعمال ہوتا ہے۔ واضح رہے کہ اقامت دین کی جدوجہد، یعنی اللہ کے دین کی سربلندی کی کوشش، ہمارا نصب العین نہیں۔ ہمارا اصل نصب العین صرف اور صرف اللہ کی رضا ہے۔ البتہ اللہ نے جو حکم دیا ہے، اس کو بجالانا ہے۔ نماز پڑھنا فرض ہے، ضرور پڑھنی ہے۔ روزہ رکھنا فرض ہے، نصب العین نہیں ہے۔ نصب العین اللہ کی رضا ہے۔ سوائے اللہ کی رضا کے کسی شے کو نصب العین کے درجے میں لانا درست نہیں۔ اگر کسی درجے میں لانا بھی چاہیں تو فلاح اخروی کا لفظ استعمال کرلیں، لیکن کسی شے کو فرائض کی فہرست میں سے بلند کر کے نصب العین بنا دینا فکری غلطی ہے۔ اور پھر اس فکر کے نتائج بہت دوررس نکلتے ہیں۔ اقامت دین کی جدوجہد فرض ہے، اس کی کوشش ہماری ذمہ داری ہے، تمام شرائط ولوازم کے ساتھ، لیکن اقامت دین ہمارا نصب العین نہیں ہے۔ یہ مِن جملہ دوسرے فرائض دینیہ کے ایک اہم ذمہ داری ہے۔''

ان تمام تحریروں پر مستزاد ڈاکٹر صاحب کی اہم ترین تحریر ''نبی اکرم کا مقصدِ بعثت'' ہے، جس میں انہوں نے ایک طرف بعثتِ محمدی کی اتمامی وتکمیلی شان کو سورۃ توبہ کی آیت نمبر 33 سورۃ الفتح کی آیت نمبر 28 اور سورۃ الصّف کی آیت نمبر 9 کے ذریعے بیان کیا ہے، وہیں دوسری طرف انقلاب نبوی کا اساسی منہاج سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 129 اور 151، سورۃ آل عمران کی آیت 164 اور سورۃ الجمعہ کی آیت نمبر 2 کی روشنی میں تفصیل سے بیان کیا ہے، اور یہ واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ جب تک اسلامی انقلاب کی جدوجہد کرنے والے تلاوتِ آیات، تزکیہ اور تعلیم کتاب وحکمت کے مراحل سے گزر کر اپنا تزکیہ آلۂ انقلاب قرآن حکیم کے

ذریعے نہیں کریں گے، اس وقت تک اقامت دین کی منزل کو نہیں پا سکیں گے۔

اس کے علاوہ ڈاکٹر صاحب نے قرآن حکیم کے جس منتخب نصاب کو اپنی دینی دعوت کی بنیاد بنایا، اس کا آغاز بھی سورۃ العصر کی روشنی میں ایمان، عمل صالح، ﴿وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ﴾ اور ﴿وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ﴾ سے کیا، اور اصل بنیاد حقیقی اور شعوری ایمان کو بنایا۔ کٹر اسرار صاحب کی فکر کو اگر ایک جملے میں بیان کیا جائے تو وہ یہی ہے کہ آج امت کے زوال کی اصل اور بنیادی وجہ ایمان حقیقی کا انتہائی کمزور اور ناپید ہونا ہے، اور اس کی سب سے بڑی وجہ کتاب اللہ سے زندہ تعلق کا نہ ہونا ہے۔

ڈاکٹر صاحب کا نہ صرف پاکستان بلکہ بین الاقوامی سطح پر بھی سب سے بڑا اعزاز یہی ہے کہ انہوں نے شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کی خواہش کے مطابق عوامی درس قرآن کے ذریعے معاشرے کے فہیم عناصر کی ایک بہت بڑی تعداد کا تعلق قرآن سے جوڑا، جس کی گواہی کراچی کے ایک معروف عالم دین مولانا محمد اسلم شیخو پوری نے اس انداز میں دی کہ ''ایک ڈاکٹر نے ہمیں ہمارا بھولا ہوا سبق یاد دلایا ہے۔''

ڈاکٹر صاحب کے اس دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد ان کی جماعت بھی وہی کام کر رہی ہے، جس کے نتیجے میں رجوع الی القرآن کورسز کے ذریعے جدید تعلیم یافتہ نوجوانوں کی ایک بہت بڑی تعداد میں علمی و عملی اعتبار سے تبدیلی آئی ہے۔ پاکستان میں سینکڑوں کی تعداد میں حلقہ جات قرآنی کے ساتھ ساتھ رمضان المبارک میں دورہ ہائے ترجمہ قرآن کے پروگراموں کا انعقاد بھی ہوتا ہے۔ اس طرح قرآن کے ذریعے ایمان پیدا کرنے کی تحریک جاری و ساری ہے۔ علاوہ ازیں کراچی کے ایک ادارہ ''دی علم فاؤنڈیشن'' کے ذریعے تمام مسالک و مکاتبِ فکر کا متفق علیہ ترجمہ قرآن تیار کیا گیا، جو وفاقی حکومت، پنجاب اور خیبر پختونخوا کے سرکاری سکولوں کے علاوہ سینکڑوں کی تعداد میں پرائیویٹ سکولوں میں پڑھایا جا رہا ہے، جس سے ایک کروڑ تیس لاکھ طلبہ استفادہ کر رہے ہیں جس کی سعادت تنظیم اسلامی کے امیر شجاع الدین شیخ صاحب کو حاصل ہے، جو دی علم فاؤنڈیشن کے پروگرام ڈائریکٹر بھی ہیں۔

اسی طرح تنظیم اسلامی ایک منظم، اصولی اسلامی انقلابی جماعت کی حیثیت سے بھی اپنی

استطاعت کے مطابق معاشرے میں تبدیلی کی جدوجہد جاری رکھے ہوئے ہے،لیکن یہ بات واضح رہنی چاہیے کہ تنظیمِ اسلامی کے پیشِ نظر صرف انقلابی کارکن پیدا کرنا نہیں بلکہ ایسے اللہ والوں کی اجتماعیت مقصود ہے جن کے اندر قرآن حکیم اور سیرت نبوی ﷺ کی روشنی میں ایمانی حرارت پیدا ہو چکی ہو، ان کے قلوب و اذہان کا تزکیہ ہو گیا ہو، پھر گھر اور اس کے بعد معاشرے میں قرآن کریم کے ذریعے تبدیلی لانے والے بھی بن جائیں۔اس لیے ڈاکٹر امین صاحب کا تنظیمِ اسلامی اور جماعت اسلامی کا تقابل محلِ نظر ہے۔ڈاکٹر امین صاحب سے ہماری گزارش ہے کہ وہ تنظیم اسلامی کے لٹریچر کو ایک بار پھر تفصیلی طور پر پڑھیں، ہمارے رفقاء کے ساتھ انفرادی میل جول رکھیں، اجتماعات اور تربیتی نشستوں میں تشریف لاتے رہیں تو ان کو تنظیمِ اسلامی اور دیگر انقلابی جماعتوں کا فرق معلوم ہو جائے گا۔

ڈاکٹر امین صاحب دینی سیاسی جماعتوں کے لیے اپنے متبادل پروگرام ''سافٹ انقلاب بذریعہ کلی اصلاح'' پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔''ہم کہتے ہیں کہ مسلمان تو موجود ہیں، آپ تعلیم و تربیت اور تزکیہ سے ان کی ایسی اصلاح کر دیں کہ وہ تبدیل ہو جائیں،عملا خدا کے بندے بن جائیں۔ایسے انسان جو قرآن کو مطلوب ہوں،جن میں قرآنی صفات ہوں،ان کی تعلیم و تربیت اور تزکیہ اس طرح کریں (جس طرح کہ صحابہ کرامؓ کا ہوا تھا کہ وہ نہ صرف اپنی اصلاح کریں بلکہ اپنے معاشرے کی بھی اصلاح کریں، اپنی ریاست کی بھی اصلاح کریں۔ اور جب بڑی تعداد میں اس طرز پر افراد کی اصلاح ہو جائے گی تو وہ معاشرے کی اصلاح کر کے اسے بھی اسلامی بنالیں گے(کیونکہ معاشرہ افراد ہی سے مل کر بنتا ہے)اور وہ ریاست کو بھی اسلامی بنالیں گے کیونکہ ریاست کو افراد ہی چلاتے ہیں۔اس طرح معاشرہ بھی اسلامی ہو جائے گا اور ریاست بھی اسلامی ہو جائے گی۔''

اس کے بعد آخری پیراگراف میں لکھتے ہیں کہ''لہٰذا موجودہ حالات کی اصلاح کا صحیح طریقہ کار یہی ہے کہ دینی جدوجہد کا منہاج تبدیل کیا جائے۔دینی مدارس،تبلیغی جماعت، جماعت اسلامی اور دیگر دینی قوتوں کو یہ بات سمجھائی جائے۔لیکن اگر وہ نہ سمجھیں تو اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں ہے کہ مجوزہ صحیح خطوط پر کام کرنے کے لیے'سافٹ انقلاب بذریعہ اصلاح'

کی ایک نئی اصلاحی تحریک اٹھے، جو صحیح رخ پر کام کرے۔''

ان دونوں مقامات کی روشنی میں ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ ڈاکٹر امین صاحب یہ مطالبہ کِس سے کرر ہے ہیں کہ وہ یہ ذمہ داری سرانجام دیں۔ پہلے وہ یہ الفاظ استعمال کرتے ہیں کہ آپ تعلیم و تربیت اور تزکیہ سے ایسی اصلاح کر دیں کہ دہ تبدیل ہو جائیں، جبکہ آخری سطور میں فرمار ہے ہیں دینی مدارس، تبلیغی جماعت، جماعت اسلامی اور دیگر دینی قوتوں کو یہ بات سمجھائی جائے۔ ان دونوں مقامات سے ہم اپنی ناقص عقل کے مطابق جو بات سمجھ پاتے ہیں، وہ یہ ہے کہ محترم ڈاکٹر امین صاحب اصلاحِ امت کی ذمہ داری ان جماعتوں، تنظیموں اور اداروں کو سونپ رہے ہیں جو گزشتہ ایک صدی یا نصف صدی سے اپنے اپنے فہمِ دین کے مطابق اپنے دائرہ کار میں خلوص واخلاص سے کام کرر ہے ہیں، لیکن وہ چاہتے ہیں کہ وہ اپنے اپنے منہج کو چھوڑ کر ان کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق کام کریں، جب ہی امت کی اصلاح ممکن ہے۔

ظاہر ہے وہ لوگ تو محترم ڈاکٹر امین صاحب کی بات ماننے سے رہے، اس لیے انہوں نے آخر میں فرمادیا کہ وہ اگر نہ سمجھیں تو اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں کہ صحیح خطوط پر کام کرنے کے لیے ''سافٹ انقلاب بذریعہ کلّی اصلاح'' کی ایک نئی اصلاحی تحریک اٹھے جو صحیح رخ پر کام کرے۔'' یہاں بھی ان کی بات مبہم ہے کہ ایک نئی اصلاحی تحریک اٹھے تو کیا اصلاحی تحریک خود بخود دکھڑی ہو جائے گی، یا اس کے لیے کوئی کوشش بھی کرنی ہوگی؟ وہ کوشش کون کرے گا؟ ظاہر ہے ایک ماہنامہ میں، جس کے قارئین بھی محدود تعداد میں ہوں، مضامین لکھ دینے سے تو یہ تحریک نہیں اٹھے گی، بلکہ اس کے لیے عملی جدوجہد کا آغاز کرنا ہوگا۔

لہٰذا ہم محترم ڈاکٹر امین صاحب سے دردِ دل کے ساتھ گزارش کریں گے کہ اگر وہ اس طریقے کے لیے واقعی سنجیدہ ہیں تو پہلے تمام دینی سیاسی جماعتوں اور دینی مدارس کے کار پردازوں کی خدمت میں حاضر ہو کر انہیں اس کی ضرورت کا احساس لائیں۔ اگر وہ ان کی بات پر کان نہ دھریں تو پھر وہ اکیلے ہی اس عظیم ذمہ داری کا بوجھ اٹھائیں۔ اگر ان کی فکر میں جان ہوئی تو یک دن ایسا ضرور آئے گا کہ تمام مذہبی و سیاسی لیڈر آپ کے پیچھے کھڑے نظر

آئیں گے۔لیکن اگر وہ اسی طرح اپنے دل میں پلنے والے امت کے درد کو سپرد قرطاس کرنے کے ساتھ دوسروں پر تنقید کرتے رہے تو ان کی بات آگے نہیں بڑھ پائے گی۔

ہم ایک عرصے سے دیکھ رہے ہیں کہ وہ اپنے ماہنامہ کے ذریعے ایک طرف دینی جماعتوں کے مناہج اور دوسری صرف مدارس اور سکولز و کالجز کے نصاب کو ہدف تنقید بنائے ہوئے ہیں،لیکن خود انہوں نے نہ تو کسی اصلاحی یا انقلابی جماعت کی بنیاد ڈالی ہے اور نہ ہی کوئی ایسا مثالی تعلیمی ادارہ قائم کر پائے ،جس کو دیکھ کر دوسرے لوگ ان سے کوئی رہنمائی حاصل کرتے۔ ہمارے نزدیک ڈاکٹر امین صاحب کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو خود تو کچھ نہیں کر رہا لیکن جو افراد، جماعتیں یا ادارے کوئی عملی کام کر رہے ہیں، انہیں ہدف تنقید بنانے کی ذمہ داری ادا کر رہا ہے۔

جس طرح کا پروگرام ڈاکٹر امین صاحب پیش کر رہے ہیں، اسی طرز پر پاکستان میں خلافت کے عنوان سے کام کرنے والی جماعتیں بھی قیامِ خلافت کے سہانے خواب دیکھ رہی ہیں اور اس کا عملی نقشہ اس انداز سے پیش کرتی ہیں کہ 50 مسلمان ممالک کے حکمران اپنے میں سے ایک کو خلیفہ چن لیں، سب کا دفاع، خارجہ پالیسی اور کرنسی مشترکہ ہو جائے تو خلافت قائم ہو جائے گی۔لیکن جب ان سے سوال کیا جاتا ہے کہ بلی کے گلے میں گھنٹی کون باندھے گا تو خاموشی چھا جاتی ہے۔

اسی طرح ان کے الفاظ میں ''معاشرتی تنظیم سے مسجد کو مرکز بنا کر پرائیویٹ سیکٹر میں عدل و انصاف، امن و امان، غربت میں کمی، خدمتِ خلق، غیر سودی تجارت وغیرہ کے بیشتر کاموں کو اسلامی خطوط پر منظم کر کے اسلامی معاشرے کے قیام کی کامیاب جدوجہد کی جاسکتی ہے۔'' پھر سوال یہ ہے کہ مسلمانوں کی وہ 90 فیصد اکثریت جو مسجد میں جاتی ہی نہیں، اسے وہ کیسے آسانی سے مسجد میں لے آئیں گے؟ اور مسجد بھی وہ جس کی متعلق وہ خود فرما رہے ہیں کہ وہ فرقہ پرست مولویوں کے قبضے میں ہے۔ وہ خود فرما رہے ہیں کہ ''یہاں یہ بھی ذہن میں رہے کہ پاکستان میں روایتی دینی قوتوں کے غیر مؤثر اور ناکام ہونے کی ایک وجہ ان کی مسلک پرستی اور فرقہ واریت بھی ہے۔ اس چیز نے علماء کو متحد نہیں ہونے دیا اور مساجد و مدارس کے نظام کو

مسلمانوں کے لیے مفید اور مثبت کردار انجام دینے نہیں دیا۔''

اسی طرح خائن، رشوت خور اور اقربا پروری پر مبنی عدالتی نظام اور محکمہ پولیس کے ہوتے ہوئے عدل و انصاف اور امن و امان کی امیدیں لگانا، ظلم پر مبنی اقتصادی نظام کے ہوتے ہوئے غربت میں کمی کے متعلق سوچنا، عالمی پشت پناہی پر مبنی سودی نظام کی موجودگی میں غیر سودی تجارت اختیار کرنے کی کوشش کیا خیالی جنت میں رہنے کے مترادف نہیں ہے؟

آخر میں ایک بار پھر ہم محترم ڈاکٹر امین صاحب کو ڈاکٹر اسرار احمد کے ان الفاظ کی طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں جہاں انہوں نے کامل دین کی جدوجہد کو اجتماعی مقصد تو قرار دیا ہے، لیکن انفرادی نصب العین صرف اور صرف رضائے الٰہی اور نجات آخروی کو قرار دیا ہے، اس لیے اگر ہمارا نصب العین واضح ہو تو پھر دنیا کی ناکامی کوئی اہمیت نہیں رکھتی، کیونکہ اللہ تعالی نے سورۃ الصّف میں اسے ﴿وَأُخْرَىٰ تُحِبُّونَهَا﴾ (ثانوی درجے کی کامیابی جو تمہیں محبوب ہے) قرار دیا ہے۔

اس لیے ہم اقامت دین کی جدوجہد کے مکلف ہیں، نہ کہ دین کو قائم کر دینے کے۔ اگر یہ حقیقت واضح ہو جائے تو پھر انہیں کوئی بھی جماعت ناکام ہوتی ہوئی نظر نہیں آئے گی، کیونکہ احیائی مساعی کا عمل (جس میں ہر طرح کی تحریکیں اپنے دائرہ کار میں کام کر رہی ہیں) بہت وسیع ہے اور اس کے بہت سے گوشے ہیں۔ اس لیے ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ ہم اپنی استطاعت کے مطابق کام کر رہے ہیں یا نہیں۔ اصل چیز محنت ہے، نتیجہ نہیں۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر اسرار احمد کی یہ تحریر انتہائی اہمیت کی حامل ہے:

''اس احیائی عمل کے بارے میں بھی بعض بنیادی حقائق ذہن نشین رہنے چاہئیں مثلاً ایک یہ کہ یہ کوئی سادہ اور بسیط عمل نہیں ہے بلکہ اس کے متعدد گوشے ہیں، جن میں سے ہر ایک میں اولوالعزم افراد اور جماعتیں برسرِ کار ہیں اور جو بظاہر ایک دوسرے سے جدا اور مختلف بلکہ بعض پہلوؤں کے اعتبار سے متضاد ہونے کے باوجود اس وسیع تر احیائی عمل کے اعتبار سے ایک دوسرے کے لیے باعثِ تقویت ہیں۔ دوسرے یہ کہ اسلام کی نشأۃِ ثانیہ اور ملت اسلامی کی تجدید کا یہ کام دس بیس برس میں مکمل ہونے والا نہیں ہے بلکہ ﴿لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ

طَبَقٍ﴾ کے مصداق درجہ بدرجہ بہت سے مراتب ومراحل سے گزر کر ہی پایہ تکمیل کو پہنچے گا، لہٰذا اس ارتقائی عمل کا ہر درجہ اپنی جگہ اہمیت کا حامل ہے اور چاہے بعد کے مراحل سے گزر کر پہلوں کا کام بہت حقیر بلکہ کسی قدر غلط بھی نظر آئے، اپنے اپنے دور کے اعتبار سے اس کی اہمیت ووقعت سے بالکلیہ انکار ممکن نہیں۔ تیسرے یہ کہ اس ہمہ گیر تجدیدی جدوجہد میں اگرچہ افراد کی اہمیت اپنی جگہ مسلّم ہے تاہم جماعتوں اور تنظیموں کے مقابلے میں کم تر ہے۔ پھر جماعتیں بھی تحریکوں کی وسعت میں گم ہو جاتی ہیں اور بالآخر تمام تحریکیں بھی اس وسیع احیائی عمل کی پہنائیوں میں گم ہوجاتی ہیں جو ان سب کو محیط ہے۔‘‘

آخر میں ہم ان کی خدمت میں بصد ادب یہی گزارش کرنا چاہتے ہیں کہ وہ ہم سے زیادہ بہتر اس امر کا ادراک رکھتے ہیں کہ جس ملک کی 70 فیصد آبادی گزشتہ 76 برسوں سے جاگیرداروں کے قبضہ میں اور 30 فیصد آبادی سرمایہ داروں کی گرفت میں ہے اور اس پر مستزاد مقامی اور بین الاقوامی اشرافیہ کی سیاسی، معاشی اور معاشرتی سطح پر مضبوط گرفت، جس سے نکلے بغیر اور ایک منظم اسلامی انقلابی جدوجہد اور معاشرے کی ذہین اقلیت کے قلوب واذہان کو شمشیرِ قرآنی سے مفتوح کیے بغیر کس طرح آسانی سے تبدیلی کا عمل ممکن ہے؟ علاوہ ازیں یہ بھی واضح رہے کہ تنزّل اور بگاڑ کا یہ عمل کوئی دو چار دن پرانی بات نہیں بلکہ گزشتہ چار سو سال کی تاریخ ہے۔ جس عمارت کو گرنے میں چار صدیاں لگی ہوں اسے دوبارہ نئی بنیادوں پر تعمیر کرنے کے لیے ایک لمبی مدت درکار ہے، کیونکہ تخریب تو آسان ہوتی ہے جبکہ تعمیر انتہائی مشکل اس لیے نشأۃِ ثانیہ کا یہ کٹھن کام دِقّت طلب بھی ہے اور وقت طلب بھی۔ ہم پوری دیانتداری سے یہ سمجھتے ہیں کہ غلبۂ دینِ حق کے اعلیٰ مقصد کے تحت خلوص واخلاص سے اپنے فہمِ دین کے مطابق جو جماعتیں، تحریکات اور ادارے اپنے اپنے دائرہ کار میں رہ کر کام کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ ان سب کی تمام محنتوں کو بالآخر ضرور جمع فرمائے گا۔ اس لیے ہمارے ذمہ جدوجہد کرنا ہے جو کرتے رہنا چاہیے۔ آخر میں اس شعر پر ہم اپنی بات ختم کرتے ہیں ؎

وقتِ فرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے
نورِ توحید کا اتمام ابھی باقی ہے

اسلامی تحریکیں مدیر

کچھ تنظیمِ اسلامی اور کچھ اپنے بارے میں

۱۹۸۶ء میں جب مَیں سعودی عرب سے تعلیم سے فراغت (میں نے ایک سعودی یونیورسٹی سے فقہ واصول فقہ میں ایم فِل کیا) اور چندے ملازمت کے بعد وطن واپس آیا تو جماعت اسلامی سے فکری طور پر مایوس ہو چکا تھا تاہم مَیں نے رکنیت سے استعفیٰ دینے سے پہلے (مَیں بیرون ملک ہی رکنِ جماعت بنا تھا) سوچا کہ جن لوگوں نے پہلے جماعت چھوڑی ہے ان سے مل کر ان کے خیالات دریافت کروں۔ اس سلسلے میں مرحوم صلاح الدین ایڈیٹر تکبیر نے مجھے کراچی کے دو تین پرانے معزز ارکانِ جماعت سے ملوایا جو مولانا مودودیؒ کے ساتھ کام کر چکے تھے۔ لاہور میں، مَیں ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ سے بھی ملا تو انہوں نے مجھے ''تحریکِ جماعت اسلامی'' اور تنظیم اسلامی کے آغاز کے متعلق دوسرا لٹریچر پڑھنے کے لیے دیا اور جماعت سے متعلق اپنا موقف بتایا۔ مَیں اس سلسلے میں جاوید احمد غامدی صاحب سے بھی ملا بلکہ ان کے ساتھ مل کر کچھ کام کرنے کی کوشش بھی کی۔ اسی طرح 'تحریکِ اسلامی' (نعیم صدیقی مرحوم والی) کے اجتماعات میں بھی کچھ ہفتے جاتا رہا بلکہ راولپنڈی میں حکیم سروسہار نپوری صاحب سے ملاقات بھی کی جو اُس وقت 'تحریکِ اسلامی' کے امیر تھے۔ تنظیم اسلامی کے اجتماعات میں جانے کا مجھے موقع نہیں ملا اور مَیں نے اس میں زیادہ دلچسپی اس لیے بھی نہ لی کیونکہ ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم نے مجھے واضح لفظوں میں بتایا تھا کہ انہیں مولانا مودودیؒ کے اقامتِ دین کے نظریے سے کوئی اختلاف نہیں، انہیں اختلاف جماعت اسلامی کی جمہوری انتخابی سیاسی جدوجہد سے ہے۔ مَیں اہل حدیث بھائیوں کے پاس بھی کچھ عرصہ اٹھتا بیٹھتا رہا۔ مسلکی جماعتوں، تبلیغی جماعت اور اہلِ تصوف کو جتنا مَیں پہلے سے سمجھتا تھا، اس تفہیم کو میں نے کافی سمجھا۔[۱]

اس ''گرداوری'' کے بعد مَیں اس نتیجے پر پہنچا کہ موجودہ دینی تحریکوں اور اصلاحی و مسلکی جماعتوں میں سے کسی کے ساتھ مَیں کام نہیں کرسکوں گا۔ اپنی صلاحیت کے مطابق قرآن وسیرت کے مطالعہ و تفکر کے بعد میری رائے یہ بنی تھی کہ جب تک تعلیم و تزکیہ کے ذریعے فرد کی

[۱] اگرچہ بعد میں مَیں نے تزکیہ و تصوف میں گہری دلچسپی لی جس کی تفصیل کا یہ محل نہیں۔

اصلاح اور تعمیرِ سیرت نہ ہو، معاشرے اور ریاست میں کوئی تبدیلی نہیں آسکتی۔ چنانچہ بتدریج میری یہ رائے پختہ ہوگئی کہ بنیادی کام پاکستان میں نظامِ تعلیم اور نظام تزکیہ کی اصلاح کا ہے۔ اس کے بعد میں نے ان دونوں موضوعات پر مطالعہ وتحقیق کا آغاز کر دیا۔

اس دوران جب مَیں نے نوائے وقت میں ''فکرونظر'' کے عنوان سے ہفتہ وار مضمون لکھنا شروع کیا تو ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم کو میری کوئی تحریر پسند آئی تو انہوں نے 'محاضرات' کے ایک پروگرام میں مجھے مدعو کیا لیکن غالباً مَیں ان کی توقع پر پورا نہیں اُترا جس کا برملا اظہار انہوں نے بھلے لفظوں میں اسی مجلس میں کیا۔

یہ غالباً ۲۰۰۳ء کی بات ہے جب میں پنجاب یونیورسٹی اولڈ کیمپس میں انسائیکلو پیڈیا آف اسلام میں بطور محقق کام کر رہا تھا کہ ایک دن دفتر کے ٹیلی فون آپریٹر نے مجھے بتایا کہ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب فون پر مجھ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔ مجھے تعجب ہوا بہر حال مَیں نے فون سنا تو ڈاکٹر صاحب فرمانے لگے کہ مَیں آپ سے ملنا چاہتا ہوں، دن اور وقت بتائیے جب حاضر ہوجاؤں۔ مَیں نے کہا خیریت ہے؟ کہنے لگے خیریت ہے، بس آپ سے کچھ دینی باتیں کرنی ہیں۔ مَیں نے کہا آپ تکلیف نہ کریں مجھے بتائیں مَیں حاضر ہوجاؤں گا۔ چنانچہ دن اور وقت طے ہوگیا اور مَیں مقررہ وقت پر ڈاکٹر صاحب سے قرآن اکیڈمی میں ان کے دفتر میں ملا۔ مَیں یہ سمجھا کہ وہ چاہتے ہیں کہ میں ان کے ساتھ ان کی تنظیم میں کام کروں۔ ان کے پوچھنے پر مَیں نے بتایا کہ میں نے ان کا تقریباً سارا اہم لٹریچر دیکھا ہوا ہے لیکن اس کے باوجود انہوں نے اصرار کیا کہ میں ''منہجِ انقلاب بنوی'' کا دوبارہ مطالعہ کروں اور اس کے بعد اگلی میٹنگ کی نشست طے پائی۔ کتاب کا نسخہ مجھے انہوں نے اسی وقت دے دیا۔ مَیں نے وہ کتابچہ دوبارہ دیکھا لیکن میری رائے تبدیل نہیں ہوئی اس کے باوجود مَیں نے ان کے نقطۂ نظر کو دل جمعی سے سنا اور انہوں نے کہا کہ اگلی نشست میں آپ اپنی سوچی سمجھی رائے سے آگاہ کریں۔ تیسری نشست کے لیے طے کردہ وقت پر مَیں ڈاکٹر صاحب سے ملا اور اپنا نقطۂ نظر وضاحت سے بتایا کہ میری رائے میں کام کا فارمولا وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو چار دفعہ قرآن حکیم میں بتایا ہے۔ (۱) یعنی تعلیمِ کتاب وحکمت اور تزکیۂ نفس۔ لہٰذا اسی فارمولے کی عصر حاضر کی ضروریات

(۱) البقرہ ۲: ۱۲۹، ۱۵۱، آل عمران ۳: ۱۶۴، الجمعہ ۶۲: ۲

کے مطابق تشکیلِ نو اور اس پر عمل کی ضرورت ہے۔ معاشرے اور ریاست میں تبدیلی اس کے بعد ہی آسکتی ہے جیسا کہ سیرت طیبہ سے واضح ہے۔ ان نشستوں میں ڈاکٹر صاحب اور مَیں ان کے دفتر میں اکیلے ہی ہوتے تھے۔ ایک موقعہ پر جب مَیں تعلیم وتزکیہ پر بہت زور دے رہا تھا تو ڈاکٹر صاحب کہنے لگے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کتنے سکول قائم کیے تھے؟ اس پر مَیں نے کہا کہ اگر آپ کا مبلغِ علم وفہم یہ ہے تو میرے خیال میں ہماری گفتگو کا کوئی فائدہ نہیں۔ چنانچہ وہ مجھ سے مایوس ہو گئے اور دوبارہ ان سے کبھی اس موضوع پر بات نہیں ہوئی۔ سوائے اس کے کہ ایک دفعہ جب میں یو ایم ٹی (خرم مراد مرحوم کے صاحبزادے ڈاکٹر حسن صہیبؒ کی قائم کردہ یونیورسٹی آف مینجمنٹ اینڈ ٹیکنالوجی لاہور) میں صدر شعبۂ اسلامی فکر وتہذیب تھا تو انتظامیہ کے کہنے پر ڈاکٹر صاحب کو سیرت پر تقریر کے لیے بلایا تھا۔

بعد میں مجھے پتا چلا کہ میری طرح انہوں نے احمد جاوید صاحب کو بھی اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی، ان کو بھی بلایا اور خود بھی ان کے ہاں گئے کیونکہ اس زمانے میں میرا احمد جاوید صاحب کے ساتھ بہت اٹھنا بیٹھنا تھا۔ مجھ سے تو ڈاکٹر صاحب جلد مایوس ہو گئے لیکن احمد جاوید صاحب سے وہ سال ڈیڑھ ملتے رہے اور پھر مایوس ہوئے۔ بہر حال اس سے پتا چلتا ہے کہ وہ ایک مخلص اور متحرک داعی تھے جو اپنے لیے کام کے بندے تلاش اور hunt کرنے کو بے تاب رہتے تھے۔ خدا رحمت کند این عاشقانِ پاک طینت را۔

یہ کہانی برادم رخورشید انجم صاحب کو سنانے سے مقصود یہ ہے کہ نہ تنظیمِ اسلامی میرے لیے نئی ہے اور نہ مجھے اس کا لٹریچر از سرِ نو پڑھنے کی ضرورت ہے۔ ہاں! اس کے بعد ملی مجلس شرعی میں، جس کا مَیں سیکرٹری جنرل ہوں، حافظ عاکف سعید صاحب سے، جب وہ امیر تنظیم تھے، بیسیوں ملاقاتیں رہیں۔ میٹنگوں میں بھی اور ان کے دفتر میں اکیلے بھی جن میں کئی دفعہ مَیں نے ان کو تنظیم کے کام کی بہتری کے لیے تجاویز دیں۔ حافظ عاطف وحید صاحب سے بھی مسئلہ سود کے حوالے سے کئی ملاقاتیں ہوئیں؛ اور ڈاکٹر ابصار احمد صاحب تو میرے شفیق اور مہربان دوست ہیں ہی۔

مجھے دینی اصلاحی جماعتوں (تبلیغی جماعت، دعوت اسلامی)، دینی سیاسی جماعتوں (جماعت اسلامی، تنظیمِ اسلامی، تحریکِ اسلامی، خلافت کی تحریکوں اور مسلکی دینی سیاسی

جماعتوں) نیز القاعدہ اور داعش جیسی مزاحمتی تحریکوں اور تصوف کے حلقوں پر تنقید کا کوئی ہوکا نہیں اور نہ اس کا کوئی شوق ہے۔ ہاں! مَیں اپنی صلاحیت کے مطابق، علوم اسلامی اور اسلامی تحریکوں کے طویل مطالعہ وتحقیق کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ مسلمانوں کو زوال سے نکالنے، دین پر عمل کرنے اور اس کی تجدید اور غلبے کے لیے موجودہ دینی جماعتوں اور اداروں (دینی مدارس) کے مناہج صحیح نہیں ہیں۔ مَیں ایک طالب علم ہوں اور مولانا مودودیؒ کی عظمت کا قائل ہوں، ان سے موازنہ مقصود نہیں لیکن یہ ایسا ہی مرحلہ ہے جیسے مولانا مودودیؒ نے اپنی جماعت قائم کرنے سے پہلے ''تجدید واحیائے دین'' لکھی تھی، سابقہ مجددین کے کارناموں پر تنقید کی تھی اور اپنی راہ ان سے الگ نکالی تھی۔

مَیں نے اصلاحِ تعلیم (جدید اور دینی مدارس دونوں) تزکیۂ نفس، تنقید مغرب، پاکستان میں غلبۂ دین اور رجوع الی القرآن کے موضوعات پر پچھلی تین دہائیوں میں ۴۰ کتابیں مدون کی ہیں اور میرا ہوم ورک، الحمدللہ! اس لحاظ سے مکمل ہے کہ ان سارے شعبوں میں کام کا صحیح منہج کیا ہے۔ میرے مؤقف کا خلاصہ یہ ہے کہ جب تک ہم ایسے افراد تیار نہیں کرتے جس طرح کے انسان نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی راست رہنمائی میں تیار کیے تھے یعنی افراد کی تعمیر شخصیت وکردار قرآن وسنت وسیرت کے مطابق اور ایسے انداز میں کہ وہ اپنی ذاتی اور اجتماعی زندگی (معاشرہ اور ریاست) دونوں میں دین پر عمل کریں۔ گویا اسلامی روایت میں تعمیرِ سیرت کنجی ہے پختہ ایمان اور اعمالِ صالحہ کی اور تعمیرِ سیرت کی کنجی ہے صحیح تعلیم وتزکیہ۔

اب دو باتیں باقی رہ گئیں۔ ایک یہ کہ برادر خورشید انجم صاحب کہتے ہیں کہ ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم نے فرد کی اہمیت وتربیت پر بہت زور دیا ہے۔ مَیں عرض کروں گا کہ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ ۱۹۵۶ء میں جماعت سے انفصال کے بعد مولانا امین احسن اصلاحی اور دوسرے اہل علم ڈاکٹر صاحب مرحوم کے ساتھ تھے جو سیاسی جدوجہد کے مقابلے میں دعوت واصلاح اور فرد کی تبدیلی کے قائل تھے اور ڈاکٹر صاحب ان کو ساتھ رکھنا چاہتے تھے۔ دوسرے یہ کہ جتنے اقتباسات آپ نے یہ ثابت کرنے کے لیے پیش کیے ہیں کہ ڈاکٹر صاحب فرد کی تربیت واہمیت کے قائل تھے، مَیں ان سے زیادہ ایسے اقتباسات ڈاکٹر صاحب کے پیش کرسکتا ہوں جن میں انہوں نے اقامتِ دین اور غلبۂ دین بذریعہ سیاسی جدوجہد وغیرہ پر زور دیا ہے لیکن

مَیں اس کی ضرورت نہیں سمجھتا کیونکہ بات تھیوری کی نہیں پریکٹس کی ہے۔ آپ بتائیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کام کرنے کا فارمولا تعلیم کتاب وحکمت اور تزکیۂ نفس ہے تو آپ کی تنظیم نے کتنے سکول، کالج، یونیورسٹیاں، دینی مدارس، اعلیٰ تحقیقی ادارے اور تزکیۂ نفس کے لیے کتنی تربیت گاہیں قائم کی ہیں جو فرد کی تعمیر سیرت کا کام اسلامی تناظر میں کر رہی ہیں؟ (جماعت اسلامی کو چھوڑیے کہ ان کے لوگوں کی چار یونیورسٹیاں، سیکڑوں کالج اور ہزاروں سکول سب کمرشل بنیادوں پر کام کر رہے ہیں، جو مغربی تہذیب پھیلا رہے ہیں اور بزنس کر رہے ہیں۔ ان میں سے شاید ہی کوئی، الا ماشاء اللہ، دعوت واصلاح کا کام کر رہا ہو)۔ دعوت کا جو اور جتنا کام آپ کی تنظیم کر رہی ہے، اللہ تعالیٰ اس میں برکت دیں۔ وہ قابلِ قدر ہے مَیں اس کی تحقیر کرنا نہیں چاہتا لیکن وہ بھی مولانا مودودی کے تصورِ اقامتِ دین ہی کا پرتو ہے۔ دیکھیے! پہلے انبیاء کے لیے قرآن حکیم نے 'دعوت' اور 'تزکیہ' کے الفاظ استعمال کیے ہیں:

* سارے انبیاء کی بعثت کا مقصد 'تزکیۂ نفس' تھا

﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ﴿14﴾ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ﴿15﴾ بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿16﴾ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ﴿17﴾ اِنَّ هٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ﴿18﴾ صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى ﴿19﴾﴾ [الاعلیٰ ۸۷: ۱۴ تا ۱۹]

* حضرت نوح علیہ السلام کی 'دعوت'

﴿قَالَ رَبِّ اِنِّيْ دَعَوْتُ قَوْمِيْ لَيْلًا وَّنَهَارًا ﴿5﴾ فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَآءِيْٓ اِلَّا فِرَارًا ﴿6﴾ وَاِنِّيْ كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوْٓا اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَاسْتَغْشَوْا ثِيَابَهُمْ وَاَصَرُّوْا وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا ﴿7﴾ ثُمَّ اِنِّيْ دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ﴿8﴾﴾ [نوح ۷۱: ۵ تا ۸]

* حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فرعون کو توحید و تزکیہ کی 'دعوت'

﴿اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿43﴾ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ﴿44﴾﴾ [طٰہٰ ۲۰: ۴۳، ۴۴]

﴿اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿17﴾ فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰٓى اَنْ تَزَكّٰى ﴿18﴾﴾ [النازعات: ۷۹: ۱۷، ۱۸]

جب کہ نبی کریم ﷺ کے لیے 'تعلیمِ کتاب وحکمت اور تزکیۂ نفس' کے الفاظ استعمال کیے گئے۔ درحقیقت 'تعلیم' اور 'دعوت' ایک دوسرے کے متبادل الفاظ ہیں۔ آج کل 'تعلیم' دو حصوں میں تقسیم ہے: رسمی اور غیر رسمی (Formal and Informal)۔ رسمی تعلیم سے مراد حکومتی ڈگریوں والی باقاعدہ تعلیم ہے اور غیر رسمی تعلیم سے مراد دعوت (مثلاً خطباتِ جمعہ اور درس قرآن کے حلقے وغیرہ)، میڈیا (پرنٹ، الیکٹرانک اور سوشل) اور تعلیم بالغاں وغیرہ ہے۔ تعلیم والے تزکیۂ نفس کی بجائے 'تربیت' کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں اور 'تزکیۂ نفس' کو تصوف وغیرہ سے مربوط کردیا گیا ہے۔ دراصل تعلیم، دعوت اور میڈیا 'ذہنی تشکیل' یا 'تعمیرِ شخصیت' کے ذرائع ہیں۔ تعلیم سے مراد اس کا نظری پہلو ہے اور تربیت وتزکیہ سے مقصود اس تعلیم کے مقتضاء پر عمل کرنا تاکہ انسان اللہ تعالیٰ کی تعلیمات کے مطابق زندگی گزار سکے۔ پھر چونکہ اللہ تعالیٰ نے ختم نبوت کا فیصلہ فرما دیا تھا اور آپ ﷺ کی نبوت کو تا قیامت پوری انسانی زندگی کے لیے (یعنی صرف مذہبی یا روحانی پہلو سے نہیں بلکہ سارے دنیاوی پہلوؤں کے لحاظ سے بھی) قابل عمل رکھنا پیش نظر تھا اس لیے صرف "یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ" نہیں کہا بلکہ اسے "يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ" کہا۔ مطلب یہ کہ وہ تمام علوم جنہیں ہم عقلی علوم (جیسے فزیکل سائنسز کے مختلف شعبے مثلاً ریاضی، فزکس، کیمسٹری، بیالوجی وغیرہ) اور نیم عقلی علوم (یعنی جن میں نقل وعقل دونوں شامل ہیں جنہیں آج کل عمرانی علوم یا سوشل سائنسز کہا جاتا ہے جیسے معاشیات، سیاسیات، تعلیمات، نفسیات، فلسفہ وغیرہ)۔ مطلب یہ کہ تعلیم سے مراد صرف آج کل کی 'اسلامک سٹڈیز، یا 'درس نظامی' نہیں بلکہ سارے علوم (بشمول عمرانی علوم وسائنسی علوم) کی قرآن وسنت کے مطابق تعلیم ہے جبکہ ہماری دینی جماعتوں (خواہ اصلاحی وتبلیغی ہوں یا سیاسی [انتخابی واحتجاجی]) کو ان علوم کی اور تعلیم کی اسلامی تشکیل نو کی کوئی فکر ہی نہیں بلکہ معاف کیجیے گا ان میں اتنا شعور ہی نہیں کہ یہ آج اہل دین کے کرنے کا بنیادی ترین کام ہے۔

خدمتِ قرآن کے حوالے سے ڈاکٹر صاحب مرحوم اور تنظیم کی سرگرمیاں بلاشبہ قابل تعریف ہیں لیکن آپ نے جو 'علم فاؤنڈیشن' کا ذکر کیا ہے تو میرے علم میں ہے کہ اس کے ترجمے کو تمام مسالک کے لیے متفقہ بنانے کا کام نواز شریف کی حکومت میں بلیغ الرحمٰن صاحب (اس وقت کے مرکزی وزیر تعلیم) نے کیا تھا۔ پھر مجھے پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ میں کسی نے

بتایا کہ العلم فاؤنڈیشن کراچی کا ترجمۂ قرآن کسی کی سفارش پر بطور نصاب تو لے لیا گیا لیکن عملاً بورڈ نے اس کا حشر یہ کیا اور ایسا طریق کار وضع کیا کہ پنجاب کی ۱۳ کروڑ آبادی میں ایک بچہ بھی ترجمۂ قرآن نہیں سیکھ پا رہا اور ہماری طرح کے کئی لوگ جو چھوٹے پیمانے پر ترجمۂ قرآن سکھانے کا کام مؤثر انداز میں کر رہے تھے، ان کا راستہ بھی بند کر دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ اس بورڈ کے لوگوں کو ہدایت دے اور ہمیں بھی۔ اسی طرح ڈاکٹر صاحب مرحوم نے قرآن حکیم کا جو منتخب نصاب ترتیب دیا ہے، اس میں بھی اقامتِ دین کا نظریہ غالب ہے۔

میرا برسوں کا تجربہ یہ ہے کہ جن لوگوں نے مولانا مودودیؒ کے نظریۂ اقامت دین اور اس فکر پر مبنی لٹریچر پڑھا ہے، انہیں تبدیلئ فرد بذریعہ تعلیم وتزکیۂ نفس کی بات اور اس کا طریق کار سمجھ ہی نہیں آتا اور نہ وہ اس پر عمل کر سکتے ہیں کیونکہ مولانا کی حکومت الٰہیہ اور اقامت دین کا مطلب صرف دین کے لیے سیاسی جدوجہد نہیں بلکہ دین کے لیے سیاسی جدوجہد کو عین اسلام اور ہر مسلمان کی زندگی کا مقصد اور نصب العین قرار دینا ہے۔ جماعت اسلامی اور تنظیم اسلامی دونوں اس تصور اقامت دین کو مانتے ہیں، فرق محض اتنا ہے کہ جماعت 'انتخابی سیاست' پر عامل ہے اور تنظیم 'احتجاجی سیاست' پر۔

آخر میں آپ کا یہ سوال کہ جب مَیں نے اتنا سوچا اور لکھا ہے اور موجودہ دینی جماعتوں، تنظیموں اور اداروں کے منہجِ عمل کو صحیح نہیں سمجھتا تو خود مَیں نے کوئی تنظیم یا جماعت کیوں نہیں بنائی اور کوئی ادارہ کیوں کھڑا نہیں کیا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہر آدمی ہر کام نہیں کر سکتا۔ مَیں مزاجاً جماعت و تنظیم سازی اور ادارہ سازی کا آدمی نہیں ہوں۔ مَیں صرف سوچ سکتا ہوں اور نشاناتِ منزل کی نشاندہی کر سکتا ہوں، جو مَیں نے اپنی کتابوں میں کر دی ہے۔

میرے نزدیک فکر ہی بنیادی چیز ہوتی ہے کیونکہ فکر ہوگی تو اس پر عمل ہوگا۔ جدید دینی تحریکوں (الاخوان المسلمون، جماعت اسلامی، تنظیم اسلامی وغیرہ) کو یہ خیال بھی کبھی نہیں آتا کہ جماعت سازی خود مغرب کی الحادی تہذیب کی دین ہے اور ہمارے دِین میں اس کی حیثیت ''محدثات'' کی سی ہے کیونکہ صحابہ وتابعین، تبع تابعین اور ہمارے اسلاف وائمہ میں سے کسی نے کبھی 'جماعت سازی' نہیں کی کیونکہ اس کے نقصانات زیادہ اور فوائد کم ہیں۔ 'فرد'

ہی کام کرتا تھا۔ ایک عالمِ دین جہاں تدریس شروع کرتا وہ 'مدرسہ' بن جاتا تھا۔ حکام شرع اسلامی پر عمل نہ کرتے تو علماء کرام انہیں ٹوکتے رہتے تھے۔ معاشرے میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا کام ہوتا رہتا تھا لیکن ہمارے اسلاف اور آئمہ میں سے کسی نے کبھی جماعت سازی اور جتھہ بندی نہیں کی کہ غیر صالح مسلم حکمران کی جگہ ہم (علماء وصلحاء) لیں گے۔ یہ بھی مغربی تہذیب سے فکری مرعوبیت یا اس کے ردّ عمل کا شاخسانہ اور محدثات میں سے ہے، لیکن دین کو ''تحریک''، ''نظام'' اور 'اسلامی انقلاب' بنا کر پیش کرنے والوں کو اس بات پر غور کرنے کا خیال بھول کر بھی نہیں آتا کیونکہ وہ مولانا مودودی کے 'اقامت دین' کے مخصوص تصور کے مطابق سوچتے ہیں اور یہی انہیں 'عین دین' نظر آتا ہے حالانکہ یہ 'عین دین' نہیں بلکہ دین کی محض ایک 'تعبیر' ہے اور وہ بھی 'دین کی سیاسی تعبیر' جسے جمہور امت اور جمہور علماء بجا طور پر ردّ کر چکے ہیں۔ جس کا ایک ثبوت یہ ہے کہ عوام جماعت اسلامی کو ووٹ نہیں دیتے اگرچہ جماعت ایم ایم اے اور ملی یکجہتی، کونسل جیسی کوششیں کر کے یہ تاثر دینے کی کوشش کرتی رہتی ہے کہ علماء اور دینی جماعتیں اس کی مخالف نہیں حالانکہ مولانا مودودیؒ کے نظریات کی وہ ابھی بھی، پہلے کی طرح، مخالف ہیں۔ ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم اور تنظیم اسلامی نے چونکہ انتخابی سیاست میں حصہ نہیں لیا اور مسلم حکمرانوں کے خلاف حریفانہ جدوجہد نہیں کی اور خدمت قرآن بھی کی، اس لیے علماء اور دینی جماعتوں نے ڈاکٹر صاحب اور تنظیم اسلامی کی اس طرح مخالفت نہیں کی جس طرح مولانا مودودیؒ اور جماعت اسلامی کی کی۔

بہرحال اگر میرے کام میں اخلاص اور تفکیر میں وزن ہوا تو اللہ تعالیٰ کچھ لوگ آج یا کل پیدا کر دیں گے جو اس بیج سے بھرپور فصل اُٹھائیں گے یا تناور درخت کھڑے کر دیں گے، ان شاء اللہ۔ مَیں اگرچہ طالب علم ہوں اور الحمدللہ! خبطِ عظمت یا کسی قسم کی نرگسیت میں مبتلا نہیں ہوں لیکن حقیقت یہ ہے کہ تاریخ میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں مثلاً امام ابن تیمیہؒ کو لیجیے کہ اپنی زندگی میں علماء کے مخالفانہ فتووں اور حکمرانوں کے جبر کی وجہ سے اکثر جیل میں رہے اور وہیں فوت ہوئے لیکن پچھلی صدی میں سعودی عرب اور مصر کے سلفیوں نے ان کی فکر کو صدیوں بعد زندہ کر دیا ہے اور اس کے اثرات سارے عالم اسلام بلکہ ساری دنیا تک پہنچے ہیں۔ شاہ ولی اللہؒ نے جس تحریک کے بیج بوئے تھے وہ عرصے بعد سید احمد شہیدؒ کی صورت

میں جلوہ گر ہوئی۔ مجدد الف ثانیؒ نے جس کام کا آغاز کیا تھا اس کا ثمر دو نسلوں بعد اورنگ زیب عالمگیر کی صورت میں نظر آیا اور ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے ممدوح علامہ محمد اقبالؒ کی فکر کے مثبت اثرات کا معاملہ بھی اس کی ایک واضح مثال ہے۔ لہٰذا مَیں اپنی صلاحیت اور بساط کے مطابق وہ کام کر رہا ہوں جو مَیں کرسکتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ وہ اسے قبول فرمالے۔ وماتوفیقی الّا باللہ، علیہ توکلت والیہ انیب۔

دعوت نامہ محترم سراج الحق صاحب

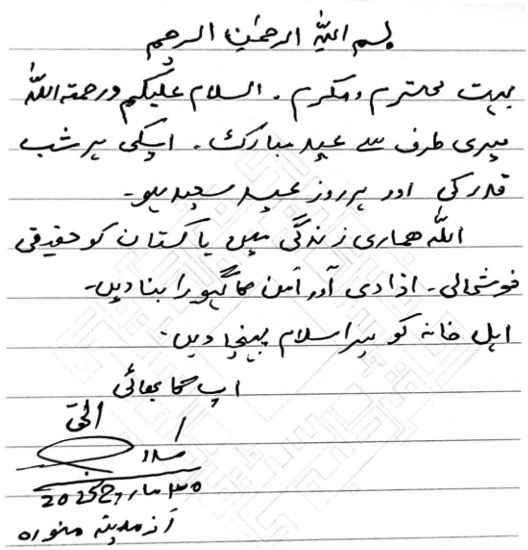
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
بہت محترم و مکرم ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ
میری طرف سے عید مبارک ۔ اپکی ہر شب
قدر کی اور ہر روز عید سعید ہو۔
اللہ ہماری زندگی میں پاکستان کو حقیقی
خوشحالی۔ ازادی اور امن کا گہوارا بنا دیں۔
اہل خانہ کو میرا سلام پہنچا دیں۔
اپ کا بھائی
الحق
سراج
۳۰/۳/2025
از مدینہ منورہ

جماعت اسلامی۔ کل اور آج

کل مولانا مودودیؒ نے جماعت اسلامی قائم کی تھی حکومتِ الٰہیہ، اقامتِ دین اور اسلامی انقلاب کے لیے اور انہوں نے 'مسلم قومیت' کی زبردست مخالفت کی تھی۔

آج جماعت کی قیادت کا نصب العین ہے ''اللہ ہماری زندگی میں پاکستان کو حقیقی خوشحالی، آزادی اور امن کا گہوارہ بنا دیں۔''

اگر آپ کو اس 'کل' اور 'آج' میں فرق نظر آئے تو اس انحراف و تضاد کے اسباب پر غور فرمائیں اور اگر فرق نظر نہ آئے تو اپنی بصارت و بصیرت کا علاج کرائیں۔

تفہیم دین سید خالد جامعی

غامدی صاحب کے متضاد تفسیری اصول

غامدی صاحب کا مذہبی نقطۂ نظر ان کی تین کتابوں 'برہان'، 'مقامات' اور 'میزان' میں بیان کیا گیا ہے۔ اس مذہب کے اصول و مبادی بھی ان کتابوں میں بیان ہوئے ہیں۔ ہم نے ان اصولوں کا مطالعہ کیا تو یہ اصول باہم متضاد اور متناقص (Oxymoron) نظر آئے۔ آج کی تحریر میں ہم قرآن کی آیات کے معنی کے تعین کے سلسلے میں غامدی صاحب کے تین اصولوں کا جائزہ لیں گے اور ثابت کریں گے کہ ان کے اصول اپنے ہی اصولوں سے ٹکراتے ہیں۔

پہلا اُصول: قرآن مجید کی آیت میں ایک سے زیادہ معنی کے لیے کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ (جاوید غامدی برہان، ص: ۲۷۸، طبع دوازدہم ۲۰۲۲ء، المورد)

* قرآن چیستان نہیں ہے کہ اس کی ہر آیت دو تین متضاد مفاہیم کی حامل قرار دی جائے۔ (برہان، ص ۲۷۷، محولہ بالا)
* قرآن میں ہرگز کوئی تضاد یا تناقص تلاش نہیں کیا جا سکتا۔ (برہان، ص: ۲۷۷، محولہ بالا)
* قرآن کے بارے میں یہ تصور ہی نہیں کیا جا سکتا کہ کسی جگہ ایک سے زیادہ مفاہیم کا کوئی احتمال باقی رہ جائے گا۔ (برہان، ص: ۲۷۸، محولہ بالا)
* یہ کوئی علم نہیں کہ آپ کسی آیت کے دو یا تین معنی بیان کر دیں۔ (برہان، ص: ۲۷۸)
* قرآن کی آیت کا یہی ایک مفہوم ممکن ہے کہ یہ میزان ہے۔ (برہان، ص: ۲۷۸)
* علم یہ ہے کہ اس میں اس (آیت کا) یہی ایک مفہوم ممکن ہے۔ (برہان ص: ۲۷۸)

دوسرا اُصول: قرآن کی ایک آیت میں ایک سے زیادہ مفاہیم کے لیے گنجائش ہے۔ اس اصول کی تقریر غامدی صاحب 'میزان' میں اس طرح کرتے ہیں کہ قرآن حکیم میں یہ بات جگہ جگہ بیان کی گئی ہے کہ شرک و کفر کا ارتکاب کرنے والوں کے لیے دائمی جہنم ہے اور قرآن کی تصریحات سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مجرموں کی تعذیب کے لیے دوزخ ہمیشہ قائم رکھی

جائے گی۔(میزان ص: ۱۹۵، طبع چہاردہم ۲۰۲۱ء، المورد)

دائمی جہنم قرآن کی تصریحات سے ثابت کرنے کے بعد ان آیات کے مفہوم کو نظر انداز کر کے ان آیات کا دوسرا مطلب بیان کرتے ہیں کہ ایک دن دوزخ کی بساط لپیٹ دی جائے گی۔ اللہ یہ حق رکھتا ہے کہ اپنی رحمت سے ان مجرموں کی سزا میں تخفیف کر دے یا خاک و راکھ بنا کر ہمیشہ کے لیے اسی جہنم کی مٹی میں دفن کر دے۔(میزان، ص: ۱۹۵، محولہ بالا)

تیسرا اُصول: آدمی کی عربی خام ہو، اس کا ادبی ذوق پست ہو تو ایک آیت کے ایک سے زیادہ مفاہیم البتہ ممکن ہیں۔(برہان، ص: ۲۷۸)

اس اصول کی روشنی میں غامدی صاحب کی عربی خام ہے، ادبی ذوق پست ہے اور وہ عالم کے درجے پر فائز ہونے کے قابل نہیں۔ وہ اپنی عربی درست کریں، پھر امت اور علماء کی اصلاح کے مشن پر نکلیں۔

سوال یہ ہے کہ کفار و مشرکین کے دائمی عذاب پر اس قدر حسرت کیوں ہے اور انہیں جہنم سے نکالنے کی عجلت کیوں ہے؟ قرآن کہہ رہا ہے کہ جہنم ابدی ہے، غامدی صاحب ثابت کر رہے ہیں کہ جہنم ابدی نہیں ہے یعنی قرآن میں تضاد ہے۔ اس کی ایک آیت دوسری آیت سے ٹکراتی ہے۔ سورۃ ہود میں یہ نہیں لکھا گیا کہ جہنم خاک اور راکھ کر دی جائے گی، اس میں صرف یہ کہا گیا ہے کہ تیرا پروردگار جو چاہے کر گزرنے والا ہے۔ ’’کر گزرنے‘‘ کا مطلب جہنم کا خاتمہ نہیں۔ متکلم کے کلام میں اپنا کلام شامل کرنا درست نہیں۔ قرآن کہہ رہا ہے: کفار کہیں گے اے پرودگار! اب ہمیں یہاں سے نکال دے، پھر ہم ایسا قصور کریں تو ظالم ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ جواب دے گا: دور ہو میرے سامنے سے، پڑے رہو اسی میں اور مجھ سے بات نہ کرو۔(المؤمنون: ۱۰۷، ۱۰۸)

* ظالم لوگ جب ایک دفعہ عذاب دیکھ لیں گے تو اس کے بعد نہ ان کے عذاب میں کوئی تخفیف کی جائے گی اور نہ ایک لمحے کی مہلت دی جائے گی۔(النحل: ۸۵)
* قرآن کہہ رہا ہے کہ وہ انتہائی بدبخت جو بڑی آگ میں جائے گا پھر نہ اس میں مرے گا نہ

جیے گا۔(الاعلیٰ:۱۲، ۱۳)

* مجرم کے لیے جہنم ہے جس میں وہ نہ جیے گا نہ مرے گا۔(طہٰ:۷۴)
* قرآن کہتا ہے کہ اہل دوزخ چاہیں گے کہ دوزخ کی آگ سے نکل بھاگیں مگر نہ نکل سکیں گے اور انہیں قائم رہنے والا عذاب دیا جائے گا۔(المائدہ:۳۷)
* رہے مجرمین تو وہ ہمیشہ جہنم کے عذاب میں مبتلا رہیں گے،کبھی ان کے عذاب میں کمی نہ ہوگی اور وہ اس میں مایوس پڑے ہوں گے۔(الزخرف:۷۵،۷۶)
* قرآن کہتا ہے جہنمی پکاریں گے اے مالک! تو ہمارا کام ہی تمام کردے تو اچھا ہے۔وہ جواب دے گا تم یوں ہی پڑے رہو گے۔(الزخرف:۷۷،۷۸)
* پھر یہ دوزخ میں پڑے ہوئے لوگ جہنم کے اہلکاروں سے کہیں گے کہ اپنے ربّ سے دعا کرو کہ ہمارے عذاب میں بس ایک دن کی تخفیف کردے۔(المومن:۴۹)
* قرآن کہتا ہے اب جاؤ جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ ہمیشہ تم کو وہیں رہنا ہے۔ (المومن:۷۶)
* قرآن کہتا ہے اللہ کوئی راستہ بجز جہنم کے نہ دکھائے گا جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے اللہ کے لیے یہ کوئی مشکل کام نہیں۔(النساء:۱۶۹)
* کفار کے لیے قائم رہنے والا عذاب ہے۔(التوبہ:۶۸)

غامدی صاحب نے آیت ''اللہ جو چاہے'' سے دوزخ کے خاتمے کا جو استدلال کیا ہے، وہ بالکل بے بنیاد ہے مثلاً سورۃ آل عمران میں آتا ہے کہ ''اللہ کو اختیار ہے چاہے انہیں معاف کرے، چاہے انہیں سزا دے''۔''اللہ جس کو چاہے بخش دے اور جس کو چاہے عذاب دے''۔(آل عمران:۱۲۸،۱۲۹) تو کیا اس آیت سے یہ مطلب اخذ کیا جا سکتا ہے کہ اللہ مشرکین کو جنت میں داخل کرسکتا ہے اگر چاہے، جبکہ قرآن کہتا ہے کہ ہر گناہ کی بخشش ہے سوائے شرک کے۔قرآن کے الفاظ سے اپنی پسند کا مفہوم برآمد کرنا غامدی صاحب کا امتیاز ہے۔قرآن میں جہاں کہیں یہ الفاظ آئے ہیں کہ ''جو اللہ چاہے'' اس کا مطلب اپنی مرضی، منشا، مقصد سے متعین کرنا درست نہیں مثلاً سورۃ ہود کی آیت ۱۰۸ میں آتا ہے کہ ''نیک لوگ

جنت میں جائیں گے، وہاں ہمیشہ رہیں گے الاّ یہ کہ تیرا ربّ کچھ اور چاہے''۔غامدی صاحب کے اصولِ تفسیر کے تحت ''کچھ اور چاہے'' سے یہ مراد ہے کہ اللہ جنت کو بھی خاک اور راکھ کا ڈھیر بنا سکتا ہے۔ غامدی صاحب نے سورۃ ہود کی آیت ۱۰۷ کے الفاظ ﴿اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ﴾ یہ کہ تیرا ربّ کچھ اور چاہے'' سے مراد جہنم کا خاتمہ اس کا خاک اور راکھ بنا لینا ہے۔ کیا تفسیر کا یہ طریقہ درست ہے؟ صحابہ کرام سے، تابعین تبع تابعین سے اور اسلاف و صلحائے اُمت سے ثابت ہے؟ غامدی صاحب ہی لکھتے ہیں کہ قرآن میں تم ہرگز کوئی تضاد یا تناقص تلاش نہیں کر سکتے۔ یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ کسی جگہ ایک سے زیادہ مفاہیم کا احتمال باقی رہ جائے گا۔(برہان، ص:۲۷۸، محولہ بالا)

کراچی کی ایک نشست میں کسی نے غامدی صاحب سے ان کی کتاب 'برہان' میں شائع شدہ ان کے مضمون ''ارباب منہاج القرآن کی خدمت میں'' کا حوالہ دیا اور پوچھا کہ طاہر القادری پر تو آپ کا اعتراض یہ تھا کہ وہ قرآن کی ایک آیت کے دو تین مفاہیم بیان کرتے ہیں جبکہ قرآن میں کسی جگہ ایک سے زیادہ مفاہیم کا کوئی احتمال نہیں اور اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو اس آدمی کی عربی خام اور اس کا ادبی ذوق پست ہوگا۔ (برہان، ص:۲۷۸) لیکن جو اعتراض آپ نے قادری صاحب پر کیا وہی اعتراض آپ پر بھی وارد ہوتا ہے کیونکہ قرآن نے پچیس آیات میں کہا ہے کہ ''جہنم ہمیشہ باقی رہے گی''۔ آپ بھی قرآن کے اس مؤقف کو 'میزان' میں بیان کر چکے لیکن اس کے بعد آپ نے ان آیات کا ایک اور مفہوم بھی بیان کیا کہ دوزخ جلا کر ختم کر دی جائے گی، تو کیا آپ کی عربی خام ہے یا آپ کا ادبی ذوق طاہر القادری کی طرح پست ہے کہ آپ قرآن کی پچیس آیات کا دوسرا مفہوم بیان کر رہے ہیں؟ اس کے جواب میں غامدی صاحب نے کہا کہ میرا یہ مؤقف سورۃ ہود کی آیت ۱۰۷ سے مستعار ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اہل جہنم کے لیے فرمایا کہ ''تیرا پروردگار جو چاہے کر گزرنے والا ہے''۔ اس آیت سے مَیں نے یہ مفہوم اخذ کیا ہے کہ جہنم خاک اور راکھ کر دی جائے گی اور اہل جہنم اس مٹی میں دفن ہو جائیں گے۔

سائل نے دوسرا سوال کیا کہ آپ ہی کا اصول ہے کہ قرآن میں تم کوئی تضاد یا تناقص نہ پاؤ گے۔ (برہان، ص:۲۷۸، محولہ بالا) آپ کے اس نقطۂ نظر سے سورۃ ہود کی آیت کا یہ مفہوم

قرآن کی پچیس آیات سے ٹکرا رہا ہے تو قرآن میں تضاد اور تناقص موجود ہے؟ یا تو آپ کا اصول غلط ہے یا آپ قرآن کے درست فہم کو اخذ کرنے سے قاصر ہیں؟ غامدی صاحب نے جواب دیا ''چلیے اگلا سوال''۔ غامدی صاحب اپنے اصولوں کی وضاحت نہ کر سکے اور اپنے ہی متعین اصول کی تقلید بھی نہیں کر سکے۔ یہی ان کے اجتہاد اور استنباط کا طریقہ ہے۔

وہ صرف زبان آور ہیں۔ ان کی چرب زبانی کسی اصول کی پابند نہیں۔ وہ اپنے ہی قول کو قطعی اور حتمی سمجھتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی عربی خام اور ادبی ذوق پست ہے۔ اس کا ثبوت ان کا عربی مضمون ''شرح شواہد الفراہی'' ہے۔ اپنی زندگی میں انہوں نے صرف یہی ایک عربی مضمون لکھا جس میں زبان، انشاء، صَرف ونحو کی بے شمار غلطیاں تھیں جس پر ڈاکٹر رضوان علی ندوی نے گرفت کی۔ یہ تنقید ساحل (ماہنامہ) کراچی کے اپریل ۲۰۰۷ء کے شمارے میں شائع ہوئی۔ غامدی صاحب کا عربی مضمون ان کی کتاب 'مقامات' طبع دوم ۲۰۰۶ء میں موجود تھا لیکن رضوان ندوی صاحب کی تنقید کے بعد یہ کتاب بازار سے اٹھالی گئی۔ اس ایڈیشن میں غامدی صاحب نے بڑے تکبر سے لکھا تھا کہ یہ کتاب تین زبانوں پر مشتمل ہے اُردو، عربی اور انگریزی۔ عربی حصے میں فراہی صاحب پر مضمون تھا اور انگریزی حصے میں غامدی صاحب کی شاعری تھی۔ یہ شاعری بھی تین بڑے انگریز شاعروں کا سرقہ تھی اس پر بھی 'ساحل' مئی ۲۰۰۷ء میں صدر شعبہ انگریزی کراچی یونیورسٹی ڈاکٹر افتخار شفیع کا مضمون شائع کیا گیا۔ غامدی صاحب کی بد دیانتی یہ ہے کہ اس ایڈیشن طبع دوم ۲۰۰۶ء کو مارکیٹ سے اٹھانے کے بعد 'مقامات' کا نیا ایڈیشن شائع کیا گیا جس پر لکھا تھا 'طبع اوّل'۔ اس میں سے عربی انگریزی حصے نکال دیے گئے حالانکہ غامدی صاحب لکھ سکتے تھے کہ یہ نگارشات میرے دور طالب علمی کی تھیں، دھوکہ دہی کی ضرورت ہی نہ تھی۔ غامدی صاحب کا عربی مضمون ''شرح شواہد الفراہی'' سب سے پہلے ان کے ذاتی رسالے ''اعلام'' میں ۱۹۸۱ء میں شائع ہوا پھر ان کی کتاب 'مقامات' ۲۰۰۶ء طبع دوم میں شائع ہوا۔ اب ڈاکٹر خالد ظہیر اور حسن الیاس صاحب نے بتایا کہ غامدی صاحب کا یہ عربی مضمون میٹرک میں لکھا گیا تھا۔ یہ بھی ایک غلط دعویٰ ہے کیونکہ غامدی صاحب میٹرک میں حمید الدین فراہی سے واقف ہی نہیں تھے۔

'مقامات' میں انہوں نے لکھا ہے کہ ۱۹۷۳ء میں اصلاحی صاحب سے شناسائی ہوئی، ان کے ذریعے فکر فراہی تک رسائی ہوئی تو میٹرک میں مضمون بے معنی استدلال ہے۔ آپ کو جان کر حیرت ہوگی کہ ۱۹۹۲ء سے ۲۰۰۷ء تک غامدی صاحب کی عربی تفسیر ''الاشراق سورۃ الملک تا والناس'' کا اشتہار ان کے کتابچوں اور رسالوں میں شائع ہوتا رہا کہ زیر طبع ہے لیکن 'ساحل' اپریل ۲۰۰۷ء میں ان کی عربی دانی کی حقیقت واشگاف ہونے پر انہوں نے اس اشتہار کو بند کر دیا۔ عربی تفسیر غائب ہوگئی۔ 'مقامات' میں غامدی صاحب نے اپنی تصانیف کا ذکر کیا ہے لیکن اس میں عربی تفسیر کا ذکر ہی نہیں کیا۔ ممکن ہے عربی تفسیر بھی انہوں نے میٹرک میں ہی لکھی ہو۔

غامدی صاحب جھوٹ بولنے اور لکھنے کے عادی ہیں۔ 'میزان' کے اختتامی کلمات میں لکھتے ہیں کہ یہ کتاب میں نے ۱۹۹۰ء میں لکھنا شروع کی اور ۲۰۰۷ء میں یہ کتاب اختتام پذیر ہوئی حالانکہ غامدی صاحب کی پہلی کتاب میزان حصہ اوّل ۱۹۸۵ء میں دارالاشراق لاہور کے زیر اہتمام ڈاکٹر منیر احمد نے شائع کرائی۔ سوال یہ ہے کہ آپ نے میزان ۱۹۹۰ء میں لکھنا شروع کی اور 'میزان' ۱۹۸۵ء میں شائع بھی ہوگئی۔ یہ تو عجیب بات ہے کہ کتاب ۱۹۹۰ء میں لکھنا شروع کی اور وہ لکھنے سے پانچ سال پہلے ۱۹۸۵ء میں شائع ہوگئی۔

۱۹۸۵ء والی میزان مسلکِ اہلِ سنت اور امت کی اجتماعی علمی روایت کے قریب تھی لہٰذا غامدی صاحب نے اس کتاب کا ذکر ہی نہیں کیا۔ اپنی تصانیف سے بھی اس کا ذکر غائب کر دیا اور بتایا کہ انہوں نے 'میزان' ۲۰۰۷ء میں مکمل کی اور ۲۰۰۸ء میں یہ پہلی مرتبہ شائع ہوئی حالانکہ 'میزان' ۱۹۸۵ء میں اور ۲۰۰۲ء میں دو مرتبہ شائع ہو چکی ہے۔ ہمارے پاس 'میزان' ۱۹۸۵ء، 'میزان' ۲۰۰۲ء اور 'مقامات' طبع دوم ۲۰۰۶ء کے نسخے موجود ہیں۔ غامدی صاحب مطالبہ کریں تو ہم یہ تینوں نسخے ان کی خدمت میں پیش کر سکتے ہیں۔ حسن الیاس سے 'میزان' کی تاریخ پیدائش کے موضوع پر گفتگو ہوئی انہوں نے کہا کہ اصلاً 'میزان' ۱۹۹۰ء میں لکھنا شروع کی۔ اس سے پہلے مختلف کتابچوں رسالوں کی صورت میں اس کے مباحث شائع ہوئے تاکہ اہلِ علم اسے دیکھ لیں کوئی تنقید ہو تو اس سے استفادہ کیا جائے۔ سوال پھر وہی ہے کہ 'میزان' اگر ۱۹۹۰ء میں لکھنا شروع کی تو وہ ۱۹۸۵ء میں پانچ سال پہلے کیسے شائع ہوگئی؟

ہمارے پاس ’میزان‘ حصہ اوّل ۱۹۸۵ء کا وہ نسخہ موجود ہے جو خورشید احمد ندیم صاحب نے اپنے کلمات اور دستخط کے ساتھ ریڈیو پاکستان راولپنڈی کے کنٹرولر نیوز کو تحفے میں دیا تھا۔ یہ سرگزشت اس بات کا ثبوت ہے کہ غامدی صاحب بلاوجہ کذب بیانی کرتے ہیں جس کی ضرورت ہی نہیں۔ وہ بار بار کہتے ہیں کہ میرا فکری ارتقاء ہوتا رہا ہے اور میں ’میزان‘ میں بار بار تبدیلی، ترمیم، حذف و اضافہ کرتا رہتا ہوں اور آئندہ بھی کرتا رہوں گا۔ جب غامدی صاحب ارتقائے فکر کے قائل ہیں تو وہ کہہ سکتے تھے کہ میں نے میزان ۱۹۸۵ء میں شائع کی مگر میرا ارتقاء ہو گیا لہٰذا اس کے مضامین اور مؤقف سے اب مجھے اتفاق نہیں رہا لہٰذا میں نے ’میزان‘ کو از سر نو لکھنا شروع کیا۔ یہ کام میں نے ۱۹۹۰ء میں شروع کیا جو ۲۰۰۷ء میں مکمل ہوا۔ اس سچ کو بیان کرنے سے ان کی عزت اور منزلت میں کوئی فرق نہیں پڑتا تھا اور یہ مؤقف ان کے اس مؤقف کی تائید کرتا ہے کہ میرا فکری ارتقاء جاری رہتا ہے اور جاری رہے گا۔

ہمیں حیرت اس بات پر ہے کہ ’میزان‘ کے بارے میں ان کا مؤقف یہ ہے کہ یہ پورے دین کا بیان ہے۔ اختتامی کلمات جو ’میزان‘ کے آخر میں درج ہیں انہیں دیکھ لیجیے۔ سوال یہ ہے کہ یہ کیسا دین ہے جو مسلسل ارتقاء پذیر ہے اس میں کمی بیشی ہو رہی ہے اس میں ترمیم اضافہ ہو رہا ہے، اس میں تبدیلی ہو رہی ہے اور مصنف ڈنکے کی چوٹ پر کہہ رہا ہے کہ آئندہ بھی تبدیلی ہوتی رہے گی۔ یہ دین ہے؟ مولانا یوسف بنوری صاحب کے پوتے احمد بنوری صاحب نے ہمیں اپنے گھر کھانے کی دعوت دی۔ حسن الیاس صاحب بھی وہاں موجود تھے۔ ہم نے دونوں کو ’مقامات‘ طبع دوم ۲۰۰۶ء دکھائی اور غامدی صاحب کا فریب بتایا کہ نئی ’مقامات‘ میں عربی انگریزی حصے غائب کر دیئے گئے ہیں۔ آپ دونوں ایک ایسے شخص سے دین لے رہے ہیں جو امانت دار نہیں۔ ابن سیرینؒ کا قول ہے جو آب زر سے لکھنے کے قابل ہے کہ تم یہ دیکھ لو کہ دین کس سے لے رہے ہو؟ تو آپ دونوں حضرات بھی دیکھیں کہ آپ دین کس سے لے رہے ہیں؟ ۲۰۱۸ء میں حسن الیاس صاحب ہمارے دفتر تشریف لائے۔ یہ ان سے آخری ملاقات تھی۔ ہم نے ’مقامات‘ طبع دوم ۲۰۰۶ء کا ذکر چھیڑ دیا تو تنگ آ کر حضرت والا نے جواب دیا کہ ہم وہ کتاب دوبارہ شائع کرا رہے ہیں لیکن آج چھ سال گزر چکے ہیں وہ

کتاب طبع نہیں ہوئی اور ظاہر ہے کیوں طبع ہوگی دھوکہ دہی کا اعتراف کر کے کیا غامدی صاحب اپنی رسوائی کا خود ہی اعلان کریں گے؟

یہ سوال کیا جاسکتا ہے کہ ہم بار بار غامدی صاحب کے پہلے اور آخری عربی مضمون ’’شرح شواہد الفراہی‘‘ کو موضوع گفتگو کیوں بناتے ہیں اور ہمیشہ ان کی کتاب ’مقامات‘ طبع دوم ۲۰۰۶ء کا حوالہ کیوں دیتے ہیں جو عربی انگریزی اردو نگارشات پر مشتمل تھی، ہمیں ان مباحث سے آگے بڑھ کر غامدی صاحب کے افکار پر تنقید کرنا چاہیے۔ غامدی صاحب کی عربی پر بار بار گفتگو اس لیے کی جاتی ہے کہ غامدی صاحب کا تصورِ دین عربی زبان اور عربی لغت سے نکلتا ہے۔ ’میزان‘ کے پہلے باب اصول ومبادی میں انہوں نے لکھا ہے کہ قرآن کا فہم صرف اور صرف عربی مبین پر مہارت اور قدرت سے مشروط ہے۔ قرآن کو سمجھنے کے لیے کسی خارجی سہارے کی ضرورت نہیں۔ (میزان، ص:۱۶، ۲۲ محولہ بالا) سوال یہ ہے کہ اگر قرآن کو سمجھنے کے لیے رسول کریم ﷺ، سنت، حدیث، صحابہؓ کسی خارجی سہارے کی ضرورت نہیں ہے صرف عربی میں کمال چاہیے تو یہ اصول کس نص سے اخذ کیا گیا ہے؟ رسول کریم ﷺ کو بھی خارجی ذریعہ قرار دے کر آپ سے بھی کنارہ کشی اختیار کر لی گئی صرف عربی پر انحصار کر کے۔ غامدی صاحب لکھتے ہیں کہ قرآن خود دلیل بن جاتا ہے اس کے لیے پھر کسی اور دلیل کی ضرورت باقی نہیں رہتی (میزان، ص:۲۲)۔ قرآن کی زبان میں کوئی اینچ پینچ نہیں ہر لفظ صاف ہے (میزان، ص:۲۰)۔ قرآن کا کوئی لفظ بھی اپنے مفہوم کے اعتبار سے شاذ نہیں ہوسکتا (میزان، ص:۲۱)۔ قرآن کے ترجمہ وتفسیر میں ہر جگہ اس کے الفاظ کے معروف معنی ہی پیش نظر رکھنے چاہئیں (میزان، ص:۲۱)۔ قرآن کے لیے قرآن سے باہر کی کسی چیز کی ضرورت نہیں ہوتی (میزان، ص:۲۲)۔ اللہ کے رسول بھی قرآن کے کسی حکم کی تحدید، ترمیم، تغیر نہیں کر سکتے (میزان، ص:۲۵)۔ قرآن کے الفاظ کی دلالت اس کے مفہوم پر بالکل قطعی ہے (میزان، ص:۲۵)۔ قرآن اپنا مدعا بیان کرنے سے ہرگز قاصر نہیں رہتا (میزان، ص:۲۵)۔ قرآن کو سمجھنے کے لیے اس کے الفاظ کافی ہیں۔ اس کے الفاظ اپنا مفہوم پوری قطعیت کے ساتھ واضح کرتے ہیں (میزان، ص:۲۵)۔ (قرآن کے الفاظ میں) اس میں کسی ریب وگمان کے لیے ہرگز کوئی گنجائش نہیں

ہوتی (میزان،ص:۲۵)۔ یہ دعوے کرنے والے غامدی صاحب قرآن کی ایک آیت کے دو دو معنی بتا رہے ہیں یعنی اپنے ہی بیان کردہ اصولوں کی نفی کر رہے ہیں۔

جب دین کے فہم کو صرف عربی میں کمال سے مشروط کر دیا گیا تو ہمیں دیکھنا ہوگا کہ یہ دعویٰ کرنے والے کی عربی کس معیار کی ہے؟ اس معیار کا تعین ان کی عربی تحریر سے ہی کیا جاسکتا ہے اس کے سوا اس معیار کو جانچنے کا دوسرا کوئی پیمانہ ہمیں میسر نہیں ہے لہٰذا ہم بار بار ان کے اسی مضمون کو زیرِ بحث لاتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ہم ان کی عربی تفسیر ''الاشراق سورۃ الملک تا والناس'' کا حوالہ دیتے ہیں۔ اس تفسیر کا اشتہار غامدی صاحب کے جرائد ورسالوں ومضامین میں سالوں تک شائع ہوتا رہا کہ وہ زیرِ طبع ہے لیکن ساحل اپریل ۲۰۰۷ء میں ان کی عربی دانی کی حقیقت کھلنے کے بعد اس اشتہار کی اشاعت روک دی گئی اور پھر غامدی صاحب نے 'مقامات' میں اپنی تصانیف اور زیرِ طبع کتابوں کا ذکر کیا تو عربی تفسیر کا ذکر ہی نہیں کیا۔ ہمارے بعض دوست جو غامدی صاحب کی اعلیٰ اخلاقیات کے بڑے مناد ہیں، ان سے کوئی پوچھے کہ جو آدمی اس قدر بددیانت ہو کہ اپنی کتاب غائب کرادے، اس سے عربی اور انگریزی تحریر حذف کردے، پھر 'مقامات' کے نام سے نئی کتاب شائع کرکے اس پر طبع اوّل لکھے اور یہ کتاب صرف اردو میں ہو تو یہ کس اخلاقیات کے تحت ایک جائز عمل ہے؟ جو شخص اپنی عربی تفسیر کا اشتہار شائع کرتا رہے، علماء پر رعب ڈالے کہ وہ عربی میں کس قدر مہارت رکھتا ہے اور اچانک عربی تفسیر کا اشتہار غائب ہو جائے یہ کس اخلاقیات کے تحت جائز ہے؟ سب سے زیادہ حیرت ہمیں اس بات پر ہے کہ غامدی صاحب نے اپنا پہلا اور آخری عربی مضمون اپنے رسالے ''اعلام'' میں ۱۹۸۱ء میں شائع کیا جس میں املاء، انشاء، صرف ونحو، تذکیر وتانیث کی بے شمار غلطیاں تھیں۔ ان کی عربی پر حکیم محمود احمد برکاتی، احمد سعید کاظمی، عبدالحکیم شرف قادری، طاہر القادری، ڈاکٹر اسرار احمد، ڈاکٹر خورشید رضوی، ڈاکٹر رضوان ندوی نے تنقید کی۔ سب نے اس مضمون کو غلط سلط عربی کا شاخسانہ قرار دیا۔ ان حضرات کے مضامین مختلف رسائل میں شائع ہوئے لیکن غامدی صاحب نے ان تنقیدات سے شرمندہ ہونے اور اپنی عربی کی اصلاح کرنے کی بجائے پچیس سال کے بعد اپنی کتاب 'مقامات' طبع دوم ۲۰۰۶ء میں اس عربی مضمون کو اصلاح کے بغیر دوبارہ شائع کر دیا۔ (ثبوت کے لیے سکرین شاٹس لف ہذا ہیں)

(١) الأعلام

فہرست

مجلسِ ادارت

ابوشیب صفدر علی
ساجد علی

محرم الحرام
١٤٠٢ھ
نومبر ١٩٨١ء

خیال وخامہ ٢
——ابوشعیب صفدر علی
قرنِ اوّل کی پہلی اسلامی تحریک ٥
——ابوشعیب صفدر علی
جرمِ زنا کی سزا کے بارے میں ایک علمی مباحثہ ٨
——جاوید احمد
شرح شواھد الفراہی [١] ٣٥
——جاوید احمد
قصیدۃ فی نعت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ٤٢
——مولانا اصغر علی الروحی
ہم سفر ٤٤
——جاوید احمد

ناشر ملک عبد القیوم نے باہتمام محمد اشرف مالک المطبعۃ العربیۃ پرانی انارکلی لاہور سے چھپوا کر ٣-شارع حمید نظامی لاہور سے شائع کیا

(٢) الأعلام

فہرست

مجلسِ ترتیب

جاوید احمد
ابوشعیب صفدر علی
ساجد علی

ربیع الاوّل
١٤٠٢ھ
جنوری ٨٢ء

خیال وخامہ ٢
ابوشعیب صفدر علی
قرنِ اوّل کی پہلی اسلامی تحریک - ٢ ٦
ابوشعیب صفدر علی
حُرمتِ رضاعت میں عمر کا مسئلہ ٢٥
جاوید احمد
سلیم احمد کی کتاب 'اقبال ایک شاعر' کا تنقیدی مطالعہ ٢٩
ساجد علی
شرح شواھد الفراہی [٢] ٣٠
جاوید احمد
تعال نقتبس من نور اسلافنا ٤٦
منزلِ فردا (نظم) ٤٨
جاوید احمد

ناشر ملک عبد القیوم نے باہتمام محمد اشرف مالک المطبعۃ العربیۃ پرانی انارکلی لاہور سے چھپوا کر ٣-شارع حمید نظامی لاہور سے شائع کیا۔

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں
[اس کتاب کے کسی بھی حصے کی فوٹو کاپی، اسکیننگ یا کسی بھی قسم کی اشاعت مصنف کی تحریری اجازت کے بغیر نہیں کی جا سکتی]

ناشر: المورد، ادارۂ علم و تحقیق
51 کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور۔
فون: 042-5865145, 5834306
طابع: شرکت پرنٹنگ پریس، لاہور
طبع سوم: جولائی 2006ء
قیمت: 180 روپے
تقسیم کنندہ: جہانگیر بک ڈپو
آفس: 257، ریواز گارڈن، لاہور۔ فون: 042-7213318 فیکس: 042-7213319
سیلز ڈپو لاہور۔ اردو بازار، فون: 042-7220879
سیلز ڈپو کراچی: اردو بازار۔ فون: 021-2765086
سیلز ڈپو راولپنڈی: اقبال روڈ نزد کمیٹی چوک۔ فون: 051-5552929
سیلز ڈپو ملتان: اندرون بوہڑ گیٹ۔ فون: 061-4781791
سیلز ڈپو فیصل آباد: کوتوالی روڈ، نزد امین پور بازار۔ فون: 0333-4469077
سیلز ڈپو حیدر آباد: نزد ویٹیرن سنٹر جامع مسجد صدر، رسالہ روڈ۔ فون: 0300-3012131

المورد
٥١ کے، ماڈل ٹاؤن لاہور

E-mail: lodhi_sahil@hotmail.com

ساحل SAHIL کراچی

ربیع الاول / ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ / اپریل ۲۰۰۷ء

غامدی صاحب پہلے عورت کی ختنہ کو سنت کہتے تھے
غامدی صاحب کی نظر میں داڑھی بھی سنت تھی
رسول اللہ کا ہر قول، فعل، عمل اور خاموشی بھی سنت تھی
چور کا دایاں ہاتھ کاٹنا بھی سنت ثابت تھا

غامدی صاحب کی عربی دانی، اور جدید وقدیم علوم سے واقفیت کا پہلا محاکمہ

ساحل SAHIL کراچی

بانی ومدیر منتظم: مولوی ڈاکٹر خالد علی انصاری

جلد سوم | شمارہ چار | ربیع الاول / ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ / اپریل ۲۰۰۷ء

e-mail: lodhi_sahil@hotmail.com

فہرست

نعت ﷺ		۲
اداریہ: جاوید غامدی صاحب دبستان سرسید کے اصل وارث		۳
اگر سنت میں اختلاف ہو جائے تو وہ سنت نہیں رہے گی	جاوید غامدی	۵
غامدی صاحب کے اصول کے تحت سنت ماخذ قانون نہیں رہا		۵
قرآن کے خاموش مقامات کی شرح سنت رسول اللہ ہے ۸۲ء	جاوید غامدی	۸
رسول کا ہر قول وفعل قانونی سند وحجت ہے [۱۹۹۳ء]	جاوید غامدی	۸
اب رسول کا ہر قول وفعل حجت نہیں رہا [۱۹۹۵ء]	جاوید غامدی	۱۳
جاوید غامدی کی عربی۔ ایک تنقیدی جائزہ	ڈاکٹر رضوان علی ندوی	۲۵
غامدی صاحب کی عربی نثر نحوی اغلاط سے پر ہے		۲۷
غامدی صاحب کی رکیک، بے ربط، پر تصنع اور مہمل عربی نثر		۳۰
غامدی صاحب عربی کے چند جملے صحیح نہیں لکھ سکتے مگر امت کے اکابرین پر حملہ آور ہیں		۳۳
غامدی صاحب سلیس صحیح عربی میں ایک جملہ لکھنے پر قادر نہیں		۳۳
غامدی صاحب عربی کا ایک صفحہ بھی درست نہیں لکھ سکتے		۳۹
فراہی صاحب، اصلاحی صاحب اور غامدی صاحب کا مشترکہ فرد جرم		۴۷
غامدی صاحب کا ایک اور سرقہ		۴۸
غامدی صاحب کی عربی دانی کی حقیقت: لا بالی کے معنی سے ناواقفیت		۵۸
غامدی صاحب المنجد سے صحیح جملہ نقل نہیں کر سکے		۶۰
غامدی صاحب کی بے معنی بھونڈی مہمل عربی تحریر		۶۳
غامدی صاحب کے خیال میں ”صد“ کم اور زیادہ ہو سکتی ہے		۶۵
غامدی صاحب اسالیب عربی سے لاعلم بھی جو ایک نثر پارہ صحیح نہیں لکھ سکتے لیکن		
جرأت اور دعا بتائی کا یہ عالم کہ حضرت عمرؓ پر طنز کرتے ہیں		۶۷

مجلس ادارت:

مولوی خالد بن حسن
اشرف لودھی
مولوی محمد طارق

مجلس مشاورت

مولوی ڈاکٹر سلمان حجازی
مولوی ڈاکٹر عرفان عظمت اللہ خواجہ
مولوی ارشد صدیقی
مولوی ڈاکٹر فاروق حسن
مولوی عبدالصمد مجاہد

رابطہ

کراچی:	۰۳۰۰_۸۲۳۹۲۹۸
لاہور:	۰۳۰۰_۴۸۴۷۵۱۰
گوجرانوالہ:	۰۳۰۰_۹۲۰۶۱۷۶
بہاولنگر:	۰۳۳۳_۶۹۳۳۳۸۸
چیچہ وطنی:	۰۳۰۰_۶۹۹۹۲۲۹

زر تعاون دس روپے
زر ترسیل سات روپے
خط وکتابت کے لیے
بی۔ ۲۰۳، سیکٹر گیارہ اے، نارتھ کراچی

دیباچہ

یہ اردو، انگریزی اور عربی زبان میں چند ناتمام تصنیفات اور چند متفرق تحریروں کا مجموعہ ہے۔ علم وفکر اور قلم وقرطاس کی دنیا میں کم وبیش ربع صدی کا سفر ہے۔ جس کے کچھ اہم منازل اس کتاب میں نمایاں ہو گئے ہیں۔ اس کے لیے ”مقامات“ کا نام اسی لحاظ سے تجویز کیا گیا ہے۔ یہی شاید اس کی اشاعت کے لیے وجہ جواز بھی ہے:

کارواں رفتہ و اندازۂ جاہش پیداست
زاں نشاں ہا کہ بہ ہر راہ گزار افتادہ است

المورد، لاہور
جنوری ۱۹۹۹ء

—جاوید

غامدی صاحب کی عربی شرح ”المفردات“ کا تنقیدی جائزہ

ڈاکٹر سید رضوان علی ندوی

شرح شواہد الفراہی کی پہلی قسط میں جاوید احمد غامدی صاحب نے وعدہ کیا تھا کہ وہ مولانا حمید الدین فراہی کی بعض کتابوں کی شرح لکھیں گے۔ زیر بحث کتاب کا نام ”انھوں نے اپنی اس تمہید میں ”مفردات القرآن“ لکھا تھا، لیکن ہمارے سامنے اشراق کا جو مضمون اس کتاب کے بعض حصوں کی شرح میں ہے اس میں اس کا نام صرف کتاب ”المفردات“ ہے۔ ”شرح شواہد الفراہی“ کے تنقیدی جائزے کے بعد ہم اس کتاب کے جائزے کی طرف آتے ہیں۔

غامدی صاحب ابتدائے الفاظ میں ہمزہ کے اثبات وعدم اثبات کے اصول سے ناواقف

غامدی صاحب کی اس کتاب کی شرح کا جو حصہ ہمارے سامنے ”الاعلام“ کے دو شماروں سے منقول ہے وہ دو قسطوں میں ہے اور یہ صرف قرآن کے ایک لفظ: الحصن کی شرح میں ہے۔ لیکن اس شرح سے قبل انھوں نے ایک دو سطری نوٹ عربی میں لکھا ہے اور نیچے ان کا نام اس طرح ثبت ہے: الـغـامـدی (اولین الف پر ہمزہ)۔

حیرت ہے کہ ایک اہم عربی کتاب کی شرح لکھی جائے، اور جناب شارح کو ہمزہ کے ابتدائے الفاظ میں اثبات اور عدم اثبات کے اصول بھی نہ معلوم ہوں! اور وہ اپنے اسم شہرت کے پہلے الف پر (جو عربی میں الف وصل کہلاتا ہے) ہمزہ لکھیں یعنی الـغـامـدی۔ عربی زبان کا متوسط درجہ کا طالب علم بھی جانتا ہے کہ ہمزہ وصل جو اداۃ تعریف ”ال“ پر ہوتا ہے، وہ لکھا نہیں جاتا صرف پڑھا جاتا ہے، جیسے قال الغامدی۔ پہلا لام دوسرے لام سے مل جائے گا اور قرآن کریم اس استعمال سے بھرا ہوا ہے، ہم پڑھتے ہیں ”قـــال الذین آمنوا“. ذلک الکتاب وغیرہ۔

تفہیم دین

مولانا عبدالخالق آزادرائے پوری[۱]
ضبط تحریر: حافظ محمد عمران طحاوی

اسلامی بینکاری ایک دھوکہ ہے

کنونشنل بینکاری اور اسلامی بینکاری میں بنیادی اور جوہری طور پر کوئی فرق نہیں بلکہ الٹا اسلامی ٹچ دینے کے نتیجے میں اس کے اخراجات بڑھ جاتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ قرضوں پر تو پرافٹ جائز نہیں لیکن جو قرضے بنک نے اوپر سے سود پر لیے ہوتے ہیں ان کی اساس پر بینک آپ کے لیے چیز خرید کر اسے اجارہ یعنی کرائے پر دے سکتا ہے یا ایک اور تصور (Concept) بیع مرابحہ کا ہے کہ ہم زیادہ قیمت پر چیز بیچتے ہیں اور نفع کماتے ہیں سو یہ تجارت ہے۔ اس کے لیے کاغذی کاروائی کی جاتی ہے جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا صرف فارم فِل کیے جاتے ہیں، اعدادوشمار جمع کیے جاتے ہیں اور پھر اس کی بنیاد پر خود ہی ایک چیز کو بیع مرابحہ میں یا اجارہ میں بدل دیتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ شرح سود جو یہاں کاروایتی بینک کماتا ہے، اس سے دگنا اسلامی بینک کماتا ہے۔ نہیں تو ڈیڑھ گنا تو ضرور ہی کماتا ہے، ٹیکس کے ساتھ شامل کر کے۔

اسلامی بینکاری میں بظاہر اسلامی اصطلاحات استعمال کی جاتی ہیں مضاربت کی، بیع مرابحہ کی اور بیع معجّل کی مگر حقیقت میں اوپر سے جو کچھ پانی آرہا ہے وہ اگر سُود والا ہے تو آگے ڈسٹری بیوٹری یا نہر کو آپ کون سا فلٹر لگا لیں گے جس کے ذریعے سے یہ پاک ہو سکے۔ اسلامی بینکاری ایک بہت بڑا دھوکہ ہے۔ یہ اسی کنونشنل بینکنگ کی اسلامی شکل ہے۔ جیسے ہم نے اپنے ملک کا نام اسلامی جمہوریہ پاکستان رکھا ہوا ہے جبکہ یہاں نہ اسلام کا سیاسی نظام ہے، نہ اسلام کا معاشی نظام، نہ انسانی حقوق کی ادائیگی کا کوئی عمل، البتہ اسلامی لیبل ہم نے چسپاں کر رکھا ہے۔ ایسے ہی اسلامی بینک کا لیبل لگا دیا گیا ہے اور بس۔ اس موضوع پر تفصیلی مباحث، لٹریچر اور کتابیں آن لائن موجود ہیں کہ آئینی اور قانونی طور پر، ٹیکنیکلی، بینکنگ کو

---

[۱] شاہ عبداللطیف یونیورسٹی، خیرپور سندھ میں ۱۳ فروری ۲۰۲۵ء کے لیکچر کی تلخیص

اسلام کے مطابق ڈھالنا ممکن ہی نہیں۔

یہ سودا جنرل ضیاء الحق کے دماغ میں سمایا تھا۔ انہوں نے اس کے لیے دو کمیٹیاں 1985ء میں بنائی تھیں۔ ایک علماء کی کمیٹی جس کے سربراہ مفتی تقی عثمانی تھے اور ایک ٹیکنوکریٹس کی کمیٹی جس کے سربراہ اس وقت کے گورنر سٹیٹ بینک غلام اسحاق خان مرحوم تھے۔ دونوں سے یہ رائے لی گئی کہ موجودہ حالت میں جب ہمارا سٹیٹ بینک قرضوں کے عالمی نظام سے جڑا ہوا ہے کیا ہم اپنے ملک میں اسلامی بینکاری نافذ کر سکتے ہیں؟ غلام اسحاق خان کی کمیٹی میں بینکار، اکنامکس کے ماہرین، اساتذہ اور پروفیسر موجود تھے۔ انہوں نے خوب غور وخوض سے رپورٹ شائع۔ کی آپ اس رپورٹ کو پڑھ سکتے ہیں۔ آن لائن سب کچھ موجود ہے۔ اس رپورٹ کا میں کہا گیا ہے کہ اگر واقعی پاکستان میں آپ اسلامک اکنامک سسٹم لانا چاہتے ہیں تو ہمیں پورا اسٹرکچر بدلنا پڑے گا۔ پروڈکشن آف ویلتھ سے لے کر ڈسٹری بیوشن آف ویلتھ تک جتنے پروسیجرز ہیں وہ دین کے مطابق بدلنا ہوں گے۔ اس کے لیے ہمارے سٹیٹ بینک کو ورلڈ بینک سے علیحدہ ہونا پڑے گا، آئی ایم ایف کو چھوڑنا ہوگا اور اپنا معاشی اور اقتصادی سسٹم بنانا ہوگا۔ اگر یہ کرنے کی سکت ہے تب تو یہ بھاری پتھر اٹھالیں ورنہ پورے اکنامک سسٹم میں جہاں پروڈکشن اف ویلتھ اوراس کی تقسیم بھی کیپٹل ازم کی بنیاد پر ہے توصرف تبادلۂ دولت اور تبادلۂ دولت میں بھی صرف زر اور زر کو کنٹرول کرنے والی اتھارٹی (بینک) کو اسلامی بنانا خلافِ عقل ہے اور اکنامک سسٹم سے متصادم بھی لہٰذا ایسا فی الحال ممکن ہی نہیں۔

دوسری طرف علماء کی کمیٹی نے کہا کہ یہ کام 100 فیصد تو نہیں ہوسکتا لیکن کچھ جوڑ جگاڑ کیا جاسکتا ہے۔ اگر ہم اس راہ پر چلیں تو کچھ نہ کچھ راہ نکل ہی آئے گی۔ علماء کی کمیٹی نے کچھ تجویزیں دی تھیں، حیلے بتائے تھے، اجارہ، مضاربہ، بیع مرابحہ، بیع معجّل جیسی اسلامی اصطلاحات کے نام پر حیلے بنائے گئے کہ کچھ نہ کچھ اسلامی بنا لیا جائے۔ یہ رپورٹ سٹیٹ بینک اور وزارت خزانہ کے بعد جب جنرل ضیاء الحق کے پاس گئی تو انہوں نے اسحاق خان کی رپورٹ کو ایک طرف رکھ دیا کیونکہ اس وقت ہم نے اسلام اسلام کھیلنا تھا، افغانستان کی لڑائی ہو رہی تھی وہاں ہماری ضرورت تھی روس کے مقابلے میں امریکہ کے مقاصد کو حاصل کرنا ضروری

تھا اور اسلام اسلام کہہ کر دنیا بھر کے مسلمانوں کی ہمدردیاں اکٹھی کرنا اور اسلام کا نعرہ لگانا تھا لہٰذا طے کرلیا گیا کہ وہ سسٹم جس میں حیلے تجویز کیے گئے ہیں اس کے مطابق سسٹم بناؤ۔ یہ سسٹم جب بن کر آیا بھی تو یہ بے میل جوڑ تھا۔ اس پر مفتی تقی عثمانی صاحب نے کڑی تنقید بھی کی مگر اس کڑی تنقید کے باوجود آج بھی اس کے بڑے نمائندے وہ خود ہیں کس بنیاد پر؟ آج اسلامی بینکنگ ہو یا کنونشنل بینکنگ دونوں عالمی قرضوں کی معیشت کے نظام سے وابستہ ہیں تو خدارا اسلام کے ساتھ تو یہ مذاق نہ کیا جائے۔ اگر ہم اتنی جرأت نہیں رکھتے کہ اپنا نظام اسلام کی اساس پر بنا سکیں تو سادہ لوح مسلمانوں کو بے وقوف تو نہ بنائیں۔ یہ کیا بات ہوئی کہ کام وہی کریں جو روایتی بینک کرتے ہیں بس نام بدل دیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا تھا آخری زمانے میں ایسے لوگ ہوں گے جو سُود کو جائز بنانے کے لیے حیلے بنائیں گے اور ان حیلوں کے ذریعے سے لوگوں کو بے وقوف بنائیں گے۔

بقیہ: اسرائیل کے خلاف جہاد کا فتوی

۶۔ آئندہ جمعۃ المبارک کو ’’یوم مظلومین ومحصورین فلسطین‘‘ کے عنوان سے منائیں اور ملک بھر میں پُرامن مظاہرے کریں اور ریلیاں نکالیں۔

۷۔ عالمی ضمیر کو جھنجھوڑنے کے لیے جدید الیکٹرانک اور سوشل میڈیا کے تمام دستیاب پلیٹ فارمز کو استعمال کریں۔

۸۔ مظلوم ومحصور فلسطینیوں کے حق میں متفقہ آواز بلند کرنے اور عالمی ضمیر کو جھنجھوڑنے کے لیے غیر سرکاری سطح پر کل جماعتی کانفرنس بلائی جائے تاکہ کسی کے پاس عدم شرکت کا کوئی جواز نہ رہے، اگر کسی اور نے پہل نہ کی تو مجلس اتحادِ اُمت پاکستان اس کی بابت حکمت عملی ترتیب دے گی۔

* یہ اجلاس صدر امریکہ کے اس بیان کی شدید مذمت کرتا ہے، جس میں انہوں نے فلسطینیوں کو اپنا آبائی وطن غزہ چھوڑنے اور وہاں سے ہجرت کرنے کا کہا ہے، نیز اشاروں کنایوں میں غزہ پر قبضہ کرنے کا ارادہ ظاہر کیا ہے۔ ہم بانگ دہل کہنا چاہتے ہیں کہ اسرائیل سمیت پورا خطہ فلسطینیوں کا آبائی وطن ہے، اس پر ان کا قانونی اور فطری حق ہے، امریکہ چاہے تو اسرائیلیوں کو کہیں اور آباد کرسکتا ہے۔

فقہ وقانون

مجلس اتحادِ اُمت، اسلام آباد

اسلام آباد کی قومی کانفرنس میں علماء ومفتیانِ کرام کا

اسرائیل کے خلاف جہاد کا فتویٰ

جمعرات ۱۰/اپریل ۲۰۲۵ء کو پاک چائنا فرینڈشپ سنٹر اسلام آباد میں مجلس اتحاد اُمت پاکستان کے زیر اہتمام ''فلسطین اور اُمت مسلمہ کی ذمہ داری'' کے عنوان سے قومی کانفرنس منعقد ہوئی جس میں مفتی تقی عثمانی صاحب، مفتی منیب الرحمٰن صاحب، مولانا فضل الرحمٰن صاحب، جماعت اہلحدیث کے علامہ ابتسام الٰہی ظہیر صاحب اور جماعت اسلامی کے سابق سینیٹر مشتاق احمد صاحب کے علاوہ بڑی تعداد میں علماء کرام اور مفتیان نے شرکت کی اور اسرائیل کے خلاف جہاد کا فتویٰ دیا۔ کانفرنس کے متفقہ اعلامیہ میں کہا گیا ہے کہ:

* امریکہ اور اہل مغرب کی آشیر باد اور مکمل مادی، مالی اور حربی امداد کے ساتھ اسرائیل نے غزہ کے مظلوم فلسطینیوں پر رواں صدی کے سب سے تباہ کن مظالم ڈھائے ہیں، ماضیٔ قریب کی تاریخ میں پوری دنیا میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ بچوں، عورتوں، بوڑھوں اور نوجوانوں سمیت تقریباً ۵۵ ہزار افراد شہید ہو چکے ہیں، کم وبیش ۲ لاکھ افراد شدید زخمی اور معذور ہو چکے ہیں اور ۷۰ فیصد سے زائد علاقہ ملبے کے ڈھیر میں تبدیل ہو چکا ہے، شہری خدمات کا پورا ڈھانچہ تباہ وبرباد ہو چکا ہے، بیشتر ہسپتال، تعلیمی ادارے، انتظامی اور رفاہی خدمات کے ادارے تباہ ہو چکے ہیں۔ یہ محض ایک جنگ نہیں، بلکہ فلسطینیوں کی کھلی اور منظم نسل کشی (Genocide) ہے۔

ایسا لگتا ہے کہ عالمی ضمیر مر چکا ہے، اپنے وطن کی آزادی وخود مختاری کے لیے جدوجہد کرنے والوں کو دہشت گرد اور قاتلوں، ظالموں اور جابروں کو حق پر مبنی قرار دیا جا رہا ہے۔ اقوام متحدہ، سلامتی کونسل غیر مؤثر ہو چکے ہیں، امریکہ غیر مشروط جنگ بندی کی ہر قرارداد کو ویٹو کر رہا ہے۔ حقوقِ انسانی، حقوقِ نسواں، حقوقِ اطفال، عالمی عدالت انصاف اور دیگر عالمی ادارے مفلوج اور بے بس ہو چکے ہیں۔

ایسی صورت حال میں شرعاً ''الاقرب فالاقرب'' کے اصول پر تمام مسلم حکومتوں پر جہاد

فرض ہو چکا ہے جس کے نتیجے میں فلسطینیوں کی نصرت امت مسلمہ پر واجب ہو چکی ہے، قرآنی آیات، احادیث مبارکہ اور مسلمہ فقہی اصول اس پر شاہد عدل ہیں۔

﴿وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۚ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ﴿75﴾﴾

[النساء ۴:۷۵]

''اور (اے مسلمانو) تمہارے پاس کیا جواز ہے کہ اللہ کے راستے میں اور ان بے بس مردوں، عورتوں اور بچوں کی خاطر نہ لڑو جو یہ دعا کر رہے ہیں کہ: اے ہمارے پروردگار! ہمیں اس بستی سے نکال لائیے جس کے باشندے ظلم توڑ رہے ہیں، اور ہمارے لیے اپنی طرف سے کوئی حامی پیدا کر دیجیے، اور ہمارلیے اپنی طرف سے کوئی مددگار کھڑا کر دیجیے۔''

مسلم حکمران اور پوری اُمت اس کے لیے عنداللہ جوابدہ ہوگی اور اللہ کریم کے ہاں اس حوالے سے کوئی عذر قابل قبول نہیں ہوگا۔

* اقوام متحدہ اپنی قراردادوں کے ذریعے ۱۹۶۷ء میں بیت المقدس اور دیگر مقبوضہ فلسطینی علاقوں پر اسرائیل کے قبضے کو ناجائز، غاصبانہ اور غیر قانونی قرار دے چکی ہے، اسلام اور مسلمہ عالمی قوانین کی رو سے اپنے وطن کی آزادی کے لیے جدوجہد کرنا فلسطینیوں کا شرعی، قانونی اور اخلاقی حق ہے۔ عالمی عدالتِ انصاف غزہ میں اسرائیلی مظالم کی نسل کشی قرار دے چکی ہے اور جو ممالک اس وقت اسرائیل کی تائید وحمایت اور پشت پناہی کر رہے ہیں وہ سب عالمی معاہدات اور عالمی میثاق کو توڑنے کے مجرم ہیں، لہٰذا فلسطین کے معاملے میں کوئی معاہدہ کسی مسلمان ملک کے لیے اس جہاد میں شرکت سے مانع نہیں ہے۔ لیکن یہ واضح رہے کہ اہل فلسطین کی مدد کے نام پر مسلم ممالک میں اصلاحِ احوال اور تبدیلی کے لیے حکومتوں کے خلاف مسلح جدوجہد فساد فی الارض اور غیر شرعی، غیر آئینی اور غیر قانونی فعل ہے اور بغاوت کے زمرے میں آتا ہے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ ایسی کاروائیوں کا نتیجہ ہمیشہ اُمت میں تفریق اور زوال کا باعث بنا ہے۔

ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ اسلامی کانفرنس کی تنظیم فلسطینیوں کی بحالی کے لیے فوری فنڈ قائم کرے اور متاثرین تک اس کی ترسیل کا انتظام کرے۔

جن مسلم ممالک نے اسرائیل کے ساتھ سفارتی وتجارتی تعلقات قائم رکھے ہیں وہ غیر مشروط جنگ بندی تک ان تعلقات کو منقطع کریں، اپنے سفراء کو واپس بلائیں اور اسرائیلی سفراء کو ملک بدر کریں۔

جو عالمی ادارے اپنے فرائض ادا نہیں کر رہے مسلم ممالک ان کی رکنیت سے عارضی طور پر دستبردار ہو جائیں، اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کا اجلاس فوری طلب کیا جائے اور چونکہ پاکستان اس کا عارضی ممبر ہے، اس لیے وہ پہل کرے۔

اصولاً اُمت مسلمہ کی ترجمانی اور اس کے مطالبات کی تکمیل متعلقہ مسلم حکومتوں کی ذمہ داری ہے، لیکن جب تک مسلم حکومتیں اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ نہیں ہوتیں اُمت مسلمہ کا فرض ہے:

۱۔ قابل اعتماد رفاہی اداروں کے ذریعے فلسطینیوں کی بڑھ چڑھ کر مالی امداد کریں۔

۲۔ تحریر، تقریر اور پُر امن اجتماعات اور احتجاجی جلوسوں کے ذریعے دنیا کو اپنے جذبات سے آگاہ کریں۔

۳۔ غزہ کے محصورین کے لیے غذائی ساز وسامان، ان کے حالات کی مناسبت سے ملبوسات فراہم کریں۔

۴۔ کنٹینروں کے کانوائے پر مشتمل گشتی ہسپتال قائم کریں جو ادویہ، آپریشن تھیٹر، لیبارٹری، طبی آلات، ایکسرے، الٹرا ساؤنڈ اور سٹی اسکین، نیز میڈیکل اور پیرا میڈیکل اسٹاف پر مشتمل ہو، ''ڈاکٹرز ود آؤٹ بارڈرز'' (Doctors Without Borders) کی تنظیم کو حرکت میں لائیں۔ اعلیٰ مہارت کے سرجن، فزیشن اور ٹیکنیشن اپنی مفت خدمات پیش کریں۔

۵۔ جو کاروباری ادارے اسرائیل کے ساتھ کاروبار کر رہے ہیں، پُر امن طریقے سے ان کی مصنوعات کا عالمی سطح پر بائیکاٹ کریں۔ جو کاروباری ادارے اپنے سٹور یا کمپنیوں سے ایسی مصنوعات نہ ہٹائیں، ان کے مالکان کا بھی پُر امن بائیکاٹ کیا جائے۔

(بقیہ صفحہ نمبر: ۶۵)

فقہ وقانون

ڈاکٹر محمد امین، سیکرٹری ملی مجلس شرعی

'بایولاجیکل' باپ ناجائز بچے کے نان ونفقہ کا مکلف ہے

لاہور ہائی کورٹ کا فیصلہ خلافِ شریعت ہے

ملی مجلس شرعی کے علماء ومفتیان کا متفقہ فیصلہ

ملی مجلس شرعی، جو سارے دینی مکاتب فکر کا ایک مشترکہ علمی پلیٹ فارم ہے، اس کے صدر مولانا زاہدالراشدی صاحب نے لاہور ہائی کورٹ کے ناجائز بچی کے نان ونفقہ کے حوالے سے متنازعہ فیصلہ کا جائزہ لینے کے لیے مفتی ڈاکٹر کریم خاں صاحب (جامعہ علمیہ، درس نظامی و پی ایچ ڈی علوم اسلامیہ) مولانا حافظ ڈاکٹر حسن مدنی صاحب (جامعہ لاہور الاسلامیہ، درس نظامی و پی ایچ ڈی علوم اسلامیہ)، ڈاکٹر فرید احمد پراچہ (جماعت اسلامی، ایل ایل بی و پی ایچ ڈی علوم اسلامیہ)، مولانا مفتی شاہد عبید صاحب (جامعہ اشرفیہ، درس نظامی)، مولانا حافظ محمد عمران طحاوی صاحب (درس نظامی و پی ایچ ڈی سکالر علوم اسلامیہ) اور سیدہ عظمیٰ گیلانی صاحبہ (ایل ایل ایم، وکیل ہائی کورٹ لاہور) پر مشتمل ایک کمیٹی قائم کی اور پروفیسر ڈاکٹر محمد امین (پی ایچ ڈی علوم اسلامیہ [فقہ واصول فقہ]) کو اس کا کنوینر مقرر کیا۔

کمیٹی کا اجلاس بروز ہفتہ، ۲۲ر مارچ ۲۰۲۵ء صبح ۱۱ بجے مجلس کے کیمپ آفس علامہ اقبال ٹاؤن لاہور میں ہوا جس میں حاضر ارکان کے علاوہ مفتی شاہد عبید صاحب اور سید عظمیٰ گیلانی صاحبہ نے آن لائن شرکت کی۔ لاہور ہائی کورٹ کے مجوزہ فیصلے کا جائزہ لینے کے بعد کمیٹی نے اتفاق رائے سے مندرجہ ذیل اعلامیہ جاری کیا:

لاہور ہائی کورٹ کا فیصلہ مندرجہ ذیل حقائق کی بناء پر خلاف شریعت ہے:

۱۔ ایف آئی آر مدعیہ کی طرف سے دفعہ 376 و 109 کے تحت کٹوائی گئی تھی یعنی یہ زنا بالجبر و دہشت گردی کا کیس تھا۔ زنا بالجبر آئینِ پاکستان کی رو سے حد ہے لہٰذا ایف آئی آر کا اندراج حدود قوانین کے تحت ہونا چاہیے تھا اور کیس وفاقی شرعی عدالت کو سننا چاہیے تھا لیکن پولیس نے اسے زنا بالجبر و دہشت گردی کی دفعات کے تحت رجسٹر کیا جس کی رو سے یہ کیس سیشن عدالت یا دہشت گردی کی عدالت میں سنا جانا چاہیے تھا لیکن خاتون کے وکلاء نے غلطی

سے یا عمداً اسے مدعیہ کی ناجائز بیٹی کی طرف سے نان ونفقہ کا کیس بنا کر فیملی کورٹ میں پیش کر دیا کہ مدعا علیہ بچی کا ''بایولاجیکل فادر'' ہے لہٰذا وہ بچی کے نان ونفقہ کا پابند ہے۔ ''بایولوجیکل فادر'' کی اصطلاح کا استعمال یہاں غلط تھا کیونکہ بچی کا باپ یا تو نکاح ہونے کی صورت میں بچی کا جائز اور قانونی باپ ہوسکتا ہے یا نکاح نہ ہونے کی صورت میں زانی، ناجائز اور غیر قانونی باپ۔ اور اس صورت میں شرع اسلامی کی رو سے ناجائز بچی نہ اس زانی باپ سے نان ونفقہ کی مستحق ہے[۱] اور نہ وراثت کی بلکہ اس کی پرورش ریاست کی ذمہ داری ہے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بحیثیت سربراہ ریاست اُس وقت ناجائز بچی کی پرورش ایک ایسے مسلمان کو سونپ دی تھی جو اس پر راضی تھا۔[۲]

۲۔ نیز اگر بچی نکاح کے بغیر پیدا ہوئی تھی تو زنا کے ثابت ہونے کے بعد زانی والد کو زنا بالجبر یا دہشت گردی (جسے شرع اسلامی میں 'حرابہ'[۳] کہا جاتا ہے) کی سزا ملنی چاہیے تھی لیکن یہ ثابت کرنا فیملی کورٹ کا دائرۂ اختیار ہی نہیں تھا: اس کے باوجود فیملی کورٹ نے بغیر کسی ثبوت کے اور باپ کے اس مؤقف کے باوجود کہ وہ اس بچی کا نہ شرعی والد ہے اور نہ غیر شرعی، اسے بچی کا ''بایولاجیکل فادر'' قرار دے کر اسے تین ہزار روپے خرچہ/ نان ونفقہ قرار دینے کا فیصلہ سنا دیا۔

فیملی کورٹ کے اختیارات میں قانون شہادت کا اطلاق نہیں ہوتا اس لیے فیملی کورٹ ایکٹ کے سیکشن 17A کے تحت یا علاوہ ازیں مکمل فیملی ٹرائل کے تحت اس کیس یا اس جیسے کسی بھی کیس میں فیصلہ دینا ممکن نہیں جب تک حدود آرڈیننس کے تحت تفصیلی شہادت کے ساتھ مدعیہ/ مدعا علیہ کا موقف ثابت نہ ہوجائے۔

نیز فیملی کورٹ ایکٹ کے شیڈول I (ایک) کے تحت صرف قانونی وشرعی شادی سے ثابت شدہ رشتے ہی ماں اور ماں کے ساتھ رہنے والے بچے شمار ہوسکتے ہیں۔ نیز عدالت نے فیملی کورٹ سے اگر ولدیت کا تعین کروانا تھا تو 2020ء سے دائر ایف آئی آر کی مستغیثہ کو کیوں واضح دادرسی نہیں دلائی؟

اسلامی شریعت کے تحت پہلے یہ معاملہ طے کرنا ضروری ہے کہ نومولود/ نابالغہ جائز اولاد

---

[۱] سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۲۱۱۳

[۲] صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۴۴۴۲، ۱۶۹۵، کتاب الحدود

[۳] المائدۃ ۵: ۳۳

ہے یا ناجائز؟ نیز یہ کہ مسئلہ صرف نان ونفقہ کا نہیں بلکہ ناجائز اولاد کا دھبہ لگ جانا نومولود کا اصل مسئلہ ہے؟ اس لیے لازم ہے کہ ہر پاکستانی عدالت مکمل اختیارات کے تحت شرعی طریقے سے جڑنے والے رشتوں (والدین اور بچے) کو تحفظ دے اور ''غیر قانونی تعلقات قائم کرنے اور ان ناجائز تعلقات کے تحت ناجائز بچوں کی پیدائش'' کی قطعاً سرپرستی نہ کرے۔ جبکہ المیہ یہ ہے کہ ہمارے بے راہ روی کے شکار معاشرے میں مردوزن سبھی مسلم خاندانی نظام کو ناکام بنانے میں مغربی طرز پر عدالتی کاروائیوں کے ذریعے ''بائیولوجیکل باپ'' یا ''بائیولوجیکل ماں'' یا ''بایولاجیکل بیٹی یا بیٹا'' جیسی اصطلاحات سے ناجائز رشتوں کی نئی تشریح کر کے اس بے راہ روی کو فروغ دے رہے ہیں۔ یوں وہ مغربی قانون کو اسلام کے مطابق ڈھالنے کی بجائے اسلامی قانون کو مغربی تہذیب کے مطابق ڈھالنے (یعنی Westernization of Islamic Law) پر عمل کر رہے ہیں۔

۳۔ فیملی کورٹ کے اس فیصلے کے بعد ملزم نے بنیادی انسانی حقوق کی آئینی خلاف ورزی کی بنیاد پر ہائی کورٹ میں اپیل دائر کر دی۔ لاہور ہائی کورٹ کے فاضل جج جناب جسٹس احمد ندیم ارشد نے بجائے اس کے کہ مدعی کو ایف آئی آر کی دفعات کے مطابق زنا بالجبر کا ملزم قرار دیتے اور معاملہ دہشت گردی کی عدالت یا سیشن کورٹ بھجواتے یا اسے حدود کیس سمجھتے ہوئے معاملہ وفاقی شرعی عدالت کو ریفر کر دیتے لیکن انہوں نے معاملہ فیملی کورٹ کو واپس بھجوا دیا اور اسے حکم دیا کہ پہلے طے کیا جائے کہ ملزم مذکورہ لڑکی کا ''بایولاجیکل فادر'' ہے یا نہیں اور اگر وہ ایسا ثابت ہو تو وہ اسے بچی کے نان ونفقہ کا حکم دے۔ ہم کہتے ہیں کہ اگر یہ شخص ''بایولاجیکل فادر'' ثابت ہو بھی جائے تو بھی شرعاً زانی ہونے کی وجہ سے اس سے خرچہ/ نان نفقہ نہیں لیا جاسکتا بلکہ اُسے زنا کی سزا ملے گی اور بچی کا خرچہ/ نان ونفقہ ریاست کی ذمہ داری ہوگی۔

۴۔ نیز فیملی کورٹ میں اس کیس کی طرز کے جو دیگر معاملات آتے ہیں ان میں دوسری شادی کو مخفی رکھنے یا کسی بے نامی بچے کو متبنیٰ بنانے کا معاملہ بھی اہم ہے جس پر قانون سازی ہونی چاہیے اور مجرموں کو سخت سزائیں دی جانی چاہئیں۔

یہاں یہ بھی واضح رہے کہ جسٹس صاحب نے ایف آئی آر اور ٹرائل کورٹ کی تفصیلات کو غالباً اس لیے بیان نہیں کیا کہ اس سے ان کا مؤقف کمزور پڑتا تھا۔ نیز انہوں نے قرآن وسنت کے جو حوالے دیے ہیں، ان سے بھی ان کا مؤقف ثابت نہیں ہوتا بلکہ یہ ان کے خلاف جاتے ہیں۔

۵۔ اس تفصیل سے واضح ہے کہ ہر سطح پر پہلے پولیس نے، پھر فیملی کورٹ نے اور پھر لاہور ہائی کورٹ نے مذکورہ ملزم کو زنا بالجبر کے مرتکب ہونے کی شرعی سزا سے بچانے کی کوشش کی۔ پولیس کو حدود کا پرچہ کاٹنا چاہیے تھا لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔ فیملی کورٹ صرف نکاحی ماں اور جائز اور قانونی اولاد کے نان ونفقہ کا حکم دے سکتی ہے لیکن اس معاملے میں اس نے ملزم کو 'بایولاجیکل فادر'' تصور کر کے اس کی ناجائز بیٹی کو نان ونفقہ کا حق دار قرار دے دیا اور یہ بھی نہیں دیکھا کہ ایف آئی آر کی رو سے کیس زنا بالجبر اور دہشت گردی کا ہے نہ کہ نان ونفقہ کا اور آخر میں ہائی کورٹ کے جسٹس صاحب نے بھی ایف آئی آر کو نظر انداز کیا اور ملزم کو زنا بالجبر اور دہشت گردی کی سزا کے لیے کیس سیشن کورٹ یا دہشت گردی کورٹ کو بھجوانے کی بجائے اُسے فیملی کورٹ کو ریمانڈ کر دیا اور فیملی کورٹ کے دائرہ اختیار کو خواہ مخواہ وسیع کر دیا کہ پہلے وہ یہ طے کرے کہ مذکورہ شخص اس لڑکی کا ''بایولاجیکل فادر'' ہے یا نہیں اور اگر ہے تو اسے نان ونفقہ کا حکم دے۔

۶۔ کمیٹی نے اس رائے کا بھی اظہار کیا کہ مذکور خاتون نے حمل کے ساتویں ماہ مذکورہ شخص کے خلاف زنا بالجبر کا مقدمہ درج کرایا جو اس بات کا قرینہ ہو سکتا ہے کہ یہ زنا بالجبر نہ ہو بلکہ حقائق مختلف ہوں اور مذکورہ خاتون اور اس کے گھر والے مذکورہ شخص سے کچھ لو اور کچھ دو کے اصول پر مک مکا کرنے کی کوشش کرتے رہے ہوں اور اس میں ناکام ہو کر انہوں نے ایف آئی آر کٹوا دی۔ اگر یہ زنا بالجبر کا حقیقی واقعہ ہوتا تو اس کی ایف آئی آر حادثے کے فوراً بعد درج ہونی چاہیے تھی لہٰذا ٹرائل عدالت کو چاہیے کہ وہ معاملے کی اس پہلو سے بھی تحقیق کرے اور اگر یہ زنا بالرضا ثابت ہو تو مرد و خاتون دونوں کو شرعی اور قرار واقعی سزا دی جائے۔

۷۔ کیس کی ان تفصیلات کے پیشِ نظر کمیٹی یہ سمجھتی ہے کہ فیملی کورٹ کے علاوہ، لاہور ہائی کورٹ کا یہ فیصلہ بھی غیر شرعی اور غیر آئینی ہے۔

۸۔ کمیٹی نے دینی جماعتوں اور اسلام پسند وکلاء سے اپیل کی کہ وہ اس تفصیل کی روشنی میں لاہور ہائی کورٹ کے اس سنگل بنچ کے فیصلے کو ہائی کورٹ میں چیلنج کریں۔ ملزم کو ''بایولاجیکل فادر'' کی اس متنازعہ، مغرب سے درآمدہ اور فتنہ پرور اصطلاح کے پیچھے نہ چھپنے دیں بلکہ جب مختلف ثبوتوں اور قرائن سے ثابت ہو جائے کہ وہ اس لڑکی کا باپ ہے تو دہشت گردی کی عدالت یا سیشن کورٹ اسے قانون کے مطابق سخت ترین سزا دے۔ یا اگر کیس وفاقی شرعی عدالت کو بھیجا جائے تو وہ اسے بطور حد یا تعزیر سخت سزا دے۔

مطالعۂ کتاب

حامد کمال الدین[1]

امام ابن تیمیہؒ کی تصنیف
"اِقْتِضَاءُ الصِّرَاطِ الْمُسْتَقِيمِ مُخَالِفَةَ اَصْحَابِ الْجَحِيمِ"
[اقتضاء الصراط المستقیم: دوزخ والوں کے برخلاف کرنا]

ایک تعارف

''گلوبلائزیشن'' کے جھکڑ؛ ''ملت'' کا سبق پختہ کروانے کا چیلنج

اردو دنیا میں یہ تالیف لانے کی ضرورت

ایک چیز ان دنوں بہت سنی جارہی ہے: تہذیبوں کی کشمکش "اِقْتِضَاءُ الصِّرَاطِ الْمُسْتَقِيمِ مُخَالِفَةَ اَصْحَابِ الْجَحِيمِ" سمجھیے اس جدید موضوع پر لکھی گئی ایک قدیم تصنیف ہے! گو اس کا اصل محور ''ملت'' ہے؛ جو اپنی گہرائی اور گیرائی میں ''تہذیب'' کی نسبت ایک بہت زورآور تعبیر ہے۔

تعلیمی وثقافتی یلغار کی راہ سے گلوب کا قبضہ لینا دوسو سال پہلے ہمارے حریف کا ایک ایجنڈا رہا ہوگا۔ اُس کی تعلیمی وثقافتی گلوبلائزیشن آج مگر ایک دَور ہے۔ اس سے بڑا چیلنج ہمیں شاید ہی کبھی پیش آیا ہو۔ امت کے عقائد، اعمال اور رہن سہن کا بہت کچھ آج ایک خاص بیرونی تاثیر کے تحت ری شیپ reshape یا ''ری فارم'' reform ہونے لگا ہے بلکہ پورے دین کے کچھ بنیادی ترین تصورات کو چھونے لگا ہے۔ اپنے اس دَور سے واسطہ رکھنے والے ایک موحد کے لیے، ابن تیمیہؒ کی "اِقْتِضَاءُ الصِّرَاطِ الْمُسْتَقِيمِ مُخَالِفَةَ اَصْحَابِ الْجَحِيمِ" ایک نصاب کا درجہ رکھے گی۔ اس کا ایک مبحث اپنے کالج یونیورسٹی میں پڑھنے پڑھانے یا نئی حقیقتوں سے سروکار رکھنے والی دنیا کی بے اندازہ ضرورت ہے۔

مختصراً.... اس گلوبل ولیج کا ایک قابل رحم کنزیومر (a vulnerable consumer)

---

[1] معروف داعی، دانشور، مصنف، امام ابن تیمیہؒ کی اس کتاب کے اُردو مترجم

(یا کچومر) ہونے سے مسلمان کا بچاؤ اور اسے تہذیب کے صنعت کاروں میں رکھنے کا ایک اعلیٰ پختہ انتظام.... زمین پر آسمان والے کی منظور کردہ[۱] واحد انسانی جمعیت کی حیثیت میں۔ غرض ''پلوریلٹی'' (Plurality)[۲] وغیرہ عقائد کا بطلان۔

کتاب کی پوری اٹھان اس ایک بنیادی مسئلے پر ہے: ''ملتوں کا فرق'' یعنی اس بات کا وجوب کہ آسمان کی سند یافتہ ملت دنیا کی ان سب ملتوں سے بیزاری رکھے جو خدا کے یہاں اب منسوخ ہیں یا سرے سے کالعدم ہیں۔ خدا کی منظور کردہ (approved) یہ ملت نہ صرف ''مذہبی'' بلکہ ''سماجی'' امور تک میں ان نا قابلِ قبول (disapproved) ملتوں سے مختلف نظر آ کر خدا کی اس زمین پر اپنی ایک واضح جداگانہ حیثیت سامنے لائے۔ اور ہر جا اپنی اس حیثیت کا بائن بنے جو بجائے خود نبی ﷺ پر ایمان کی دعوت ہوئی۔ پھر اس اصل سے متفرع

---

[۱] خدا کی منظور کردہ approved / accredited: وَرَضِيتُ لَكُمُ (المائدۃ: ۳)، هُوَ اجْتَبٰكُمْ (الحج: ۷۸)، الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا (فاطر: ۳۲)، وغیرہ قرآنی الفاظ کی دلالت۔ (مترجم)

[۲] ''پلوریلٹی'' یہ ماننا کہ دنیا میں بس آپ ہی نہیں ہیں بلکہ آپ جیسے یہاں بہت مذاہب ہیں، اور ان سب کو آپس میں اتنا ہی کشادہ دل ہونا ہے۔ یہاں اگر آپ کچھ تنگ نظر واقع ہوئے ہیں [دین اسلام (رسولوں کی راہ) کو دنیا کا ''واحد حق'' جانتے اور اس کے کلی یا جزوی منکروں کے لیے دوزخ ایسی کوئی وعید رکھتے ہیں] تو اس نظریہ ''پلوریلٹی'' کی رُو سے آپ کسی جہالت اور ریوڑ ذہنیت (herd mentality) کا شاخسانہ ہیں: جیسے ڈارک ایجز یا قرونِ وسطیٰ کی کوئی چیز!

ادھر 'پلوریلٹی' کے حق میں ایک اسلامی دلیل ہمارے کچھ جدت پسندوں کو یہ ہاتھ لگی کہ: اسلام میں دوسرے مذہب والوں کے ساتھ جو نیک برتاؤ ملتا ہے وہ دوسرے مذاہب ''*the other*'' کو ایک طرح کا اعتبار دینا ہی ہے!

بے شک اسلام یہ کہتا ہے ﴿ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ﴾ (الممتحنۃ: ۸) ''کہ تم ان کے ساتھ نیکی کرو اور انصاف سے پیش آؤ: یقیناً اللہ انصاف والوں کو پسند فرماتا ہے۔'' سوال مگر یہ ہے کہ اسلام اُن دیگر مذاہب والوں کی پوزیشن کیا متعین کرتا ہے؟ باطل کے پیروکار۔ انبیاء کے راستے سے ہٹے ہوئے لوگ۔ دوزخ کی راہ پر پائے جانے والے۔ جو جب تک اللہ کو اپنا ربّ، اسلام کو اپنا دین، اور محمد ﷺ کو اپنا نبی نہ مان لیں، خدا کے ہاں ردّ ہیں۔ انفرادی طور پر کوئی ان میں سے مرفوع القلم ہو بھی، بطور ملت ان کی ٹھیک ٹھیک پوزیشن قرآن کی رُو سے یہی ہے: یہ اپنی اس حالت میں صاف باطل پر ہیں۔ اور یہ حقیقت آپ قرآن کے تقریباً ہر صفحے پر پائیں گے: تمام انسانیت کو محمد ﷺ پر ایمان لانے کی دعوت؛ ورنہ صریح ہلاکت۔ پس ان ملتوں کا ابطال نہ کرنا خود قرآن کا ابطال ہوا۔ پہلی بات اگر کسی پر گراں ہے تو وہ دوسری کا سوچ لے!

،فہم شریعت کے کئی اہم مباحث، جو وقت کی ایک تباہ کن تحریک ''تقاربِ ادیان''[۱] سے نمٹنے میں ہمارا ہتھیار رہوں گے۔ نیز وقت کے ایک شرک ''ہیومن ازم''[۲] سے نبرد آزمائی میں ہمارا اوزار۔ انسانی زندگی سے اللہ کی مرکزیت ختم کرواتا یہ عقیدہ ہیومن ازم ''دین'' کو اس کی اس پوزیشن سے برطرف کراتا ہے کہ یہ انسانوں میں ''فرق'' ڈالنے کی بنیاد ہو [''فرق'' اس کے ہاں وہی جائز یا واجب ہے جو انسان دیوتا اپنے حق میں آپ چاہے! جیسے مفادات (معیشتوں/ سیاستوں/ ریاستوں) کی اٹھائی ہوئی تقسیمات]۔ چنانچہ ''ملت'' کا وہ معنی جو اسلام دلوں میں بٹھاتا ہے یعنی ''اجتماع'' کی بنیاد: تنہا ایک پیدا کرنے والے کی عبادت پر انسانوں کا ایکا ہونا (الجماعۃ) جبکہ ''ٹوٹنے'' کی بنیاد: اُس کے غیر کی عبادت کرنے والوں سے

---

[۱] ''تقاربِ ادیان'' مذاہب کے مابین بھائی چارہ کروانے کی ایک عالمی تحریک، جو ان ملتوں کے ''اختلاف'' (disagreements) کے مقابلے میں ان کے ''مشترکات''(commonalities) کو نمایاں کرنے، اور خاص اس راہ سے ان میں ممکنہ ہم آہنگی لانے اور اسے ''بڑھاتے جانے'' کے لیے کوشاں ہے۔ اپنے الفاظ میں ہم کہیں تو؛ توحید اور شرک کے مابین ایک ''بھائی چارہ'' نبی پر ایمان اور نبی کے ساتھ کفر کے بیچ ایک ''ہم آہنگی'' و ''یکجہتی'' ہر دو عقیدہ کے مابہ النزاع کو۔ جو کہ قرآن میں بار بار اور بڑی شدت کے ساتھ سامنے لایا جاتا ہے، مہارت کے ساتھ پیچھے کرنا اور دونوں میں مشترک پائے گئے امور کو زیادہ سے زیادہ سامنے لانا؛ اور اسی کو رفتہ رفتہ ''اخوت'' کی بنیاد بناتے چلے جانا۔ دراصل ایک ایسی نئی عالمی ملت (an unprecedented universal faith) کو وجود میں لانے کا متواتر دُوررَس عمل جس میں ''مذاہب'' کا وہ سارا فرق جو ہمارے ہاں کفر اسلام تک جاتا ہے، ایک ہی حقیقت کے متنوع خوش نما رنگوں (shades) کی صورت پیش کرے گا۔ کیونکہ خود ''دین'' ہی اس میں ایک اضافی وحاشیائی سی چیز ہو رہے گا۔ اور یہ وہ پوائنٹ ہے جہاں سیکولر دھرم کے ماننے والے اس پر سکھ کا سانس لیں گے کہ ان کا دین ان پر مکمل ہو گیا۔ قَاتَلَهُمُ الله

[۲] ''ہیومن ازم'' یہ عقیدہ کہ معاملاتِ زندگی میں ''انسان'' اور اس کی منشا ہی اصل اور صحیح حوالہ ہے؛ نہ کہ ''انسان'' سے مافوق کوئی ہستی (یا ہستیاں)۔ معاملات کو اوّل و آخر ''انسان'' کی طرف لوٹانا۔ انفرادی امور میں انفرادی طور پر انسان کو اپنی مرضی کرنے کا ''حق'' ہونا، جبکہ قومی امور میں سب کو مل کر اپنی مرضی کرنے کا ''حق'' ہونا۔ ''انسانی'' بھائی چارہ کو ہر چیز پر مقدم رکھنا؛ اور انسانوں کے مابین کسی تفریق کو جائز نہ رکھنا سوائے کسی ایسی تفریق کے جسے انسانوں کو اپنے ہی مفادات ان پر فرض کریں۔

ہیومنسٹ (Humanist) شرک کے اسلامی درآمد کنندگان اسے ہمارے دین کی اس بات سے خلط کریں گے کہ اسلام بھی تو انسان کو خیر وشر میں سے وہ جس طرف کو جانا چاہے، جانے کی آزادی دیتا ہے؛ جس کے اچھے بُرے نتائج انہیں خدا کے ہاں بھگتنے ہیں، نہ کہ ہمارے ہاتھوں!

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ناطہ توڑ آنا؛ جو کسی وقت ہجرت یعنی ''دار'' (territories) الگ کر لینے[۱] تک چلا جاتا ہے۔ ''ملت' کا یہ (حُنَفَاء والا) مسلم ذہن سے کھرچنے کا کام ایک رخ سے آج ہیومنسٹ (Humanist) تحریک انجام دے رہی ہے تو دوسرے رخ سے تقاربِ ادیان۔ وقت کی یہ ہر دو اھواء حالیہ ''تفسیرِ نو'' (re-interpretation of Islam) میں ایک ساتھ بولتی ہیں۔ اور ان دونوں کا توڑ یہی ''ملت'' کے معانی کا احیاء۔ الحَنِیْفِیَّة کے تحت آنے والے یہ اصیل مضامین۔ یہ وجہ ہے "اِقْتِضَاءُ الصِّرَاطِ الْمُسْتَقِیْمِ مُخَالِفَةَ اَصْحَابِ الْجَحِیْمِ" کو اردو میں لانا ہمیں وقت کی ایک اتھاہ ضرورت محسوس ہوئی۔

''اقتضاء'' کو اردو میں لانے سے ہمارا مقصود، آپ اوپر پڑھ آئے۔ رہا اسلوب تو ہمارے پیش نظر دراصل ابن تیمیہؒ کے اس معرکۃ الآراء کام کی تحریکی کھپت ہے۔ یعنی حالیہ تہذیبی جنگ میں اپنے نوجوان کی ایک نظریاتی قلعہ بندی۔ اس مناسبت سے؛ اسلوب تھوڑا تاکیدی (recapturing) رکھ لیا گیا۔ دقائق جو کہ اس کتاب میں بہت ہیں، اردو میں ڈھلنے

بالکل ٹھیک۔ بس ایک لفظ کی تصحیح یہاں کر لیجیے: ''حق'' نہیں ''اختیار''۔ انسان کو (دنیا کی زندگی) اپنی مرضی کرنے کا ''اختیار'' نہ کہ ''حق''۔ پس یہ آزادی جو اسلام دیتا ہے، ''اختیار'' کے معنی میں ہے ''حق'' کے معنی میں نہیں؛ اور یہی ان دو عقیدوں (اسلام Vs ہیومنزم/ لبرلزم) کا اصل فرق ہے۔ انسان کے اس ''حق'' کی نفی ہی اسلام ہے۔ ''اسلام'' کا مطلب: انسان نامی مخلوق کو انگ انگ ''خدا کا پابند'' ماننا۔ اس چیز کو باطل جاننا کہ کسی ایک بھی معاملے میں انسان کو اپنی چلانے کا ''حق'' ہو۔ ''خدا کا پابند'' نہ ہونے کو انسان کے حق میں دنیا کا سب سے بڑا پاپ، سب سے بڑا ظلم، سب سے بڑی جہالت، سب سے بڑا کفرانِ نعمت اور سب سے بڑا فساد ماننا۔ نہ صرف یہ.... بلکہ خدا اور اس کی شرع کا پابند ہو کر رہنا یا نہ رہنا۔ اسلام کی نگاہ میں دنیا کا وہ واحد مسئلہ ہے جس پر ''انسانوں'' کے مابین ایک ابدی لکیر پڑتی ہے؛ وہ واحد لکیر جو انسانوں کے مابین فرق کے لیے روا رکھی جائے گی؛ انسانوں کے مابین کرایا جانے والا واحد فرق جس کو زیادہ سے زیادہ گہرا اور زیادہ سے زیادہ نمایاں کرنا شرائع کے مقاصد میں سے ایک مقصد ہوا۔ اور یہ ہے آپ کے سامنے موجود اس تصنیف "اِقْتِضَاءُ الصِّرَاطِ الْمُسْتَقِیْمِ مُخَالِفَةَ اَصْحَابِ الْجَحِیْمِ" کا بنیادی مضمون (basic theme)۔

[۱] مطلب: دارالاسلام اور دارالکفر کے بیچ پڑی ہمیشہ کی جدائی۔ ''رسالت'' پر ایمان کی بنیاد پر زمین دو کیمپوں میں تقسیم: نبی کا قائم کیا ہوا اور نبی سے وابستہ ایک مستقل بالذات جہان.... اور بقیہ دنیا۔ ہر دو کیمپ میں ''دوسرے'' (*the other*) کا پایا جانا خالصتاً ''شخصی وانفرادی''؛ اور یہ ہوا ''الجماعۃ'' کا حقیقی معنی اور اس کا صحیح اطلاق؛ سلباً اور ایجاباً۔

کے دوران پیچیدگیاں نہ بنیں، اس کی از حد کوشش رہی۔ جس کے لیے حاشیوں کا کچھ زیادہ استعمال کرنا پڑا۔ خاص طور پر اس لیے کہ عبارت کا مضمون متاثر ہوئے بغیر کچھ فی زمانہ امور سے بھی کلام کا تعلق سمجھ آئے، جو کہ اس کتاب سے ہمارا بڑا ہدف ہے۔

عرب کے دعوتی/ تربیتی حلقوں میں یہ کتاب نامور اساتذہ سے سبقاً سبقاً بھی پڑھی جارہی ہے۔ ایسے چار تعلیمی سلسلوں کے آڈیو ہمیں دستیاب ہوئے: ایک "اِقْتِضَاءُ الصِّرَاطِ الْمُسْتَقِيمِ" پر شیخ عبدالرحمٰن ناصر البراک کے پڑھائے ہوئے اسباق۔ دوسرا شیخ محمد بن عثیمین کے۔ تیسرا شیخ خالد السبت کے۔ چوتھا شیخ صالح الفوزان کے۔ کتاب کے مشکل مقامات کو حاشیوں میں کھولنے کی جو کوشش ہمارے یہاں ہوئی، اس میں ان چاروں سے رجوع ہوتا رہا ہے۔

دقیق لغوی یا اصولی یا فقہی یا تخریجی مباحث عام قاری کی ضرورت اگرچہ نہیں ترجمہ میں وہ اپنی جگہ ہیں۔ تاکہ مرضی کی باتیں اٹھانے (pick & chose) کا کوئی تاثر ہمارے اس ترجمہ کے متعلق قائم نہ ہو۔ نیز ایک سنجیدہ طالب علم کو پوری ہی چیز میسر آئے۔ اتنا ہے کہ عبارت کا فونٹ وغیرہ وہاں تھوڑا مختلف کر دیا گیا۔ احادیث و آثار دیتے وقت مؤلف متقدمین کی طرز پر پوری سند دیتے ہیں۔ ہمارے اس ترجمہ میں البتہ صحابی سے نیچے سند حذف ہوتی ہے۔

"اِقْتِضَاءُ الصِّرَاطِ الْمُسْتَقِيمِ مُخَالِفَةَ أَصْحَابِ الْجَحِيمِ" کو اردو نام دینے میں مترجمین نے خاصا تصرف کیا، اور بے شک اس میں مضائقہ نہیں۔ ہمارے اس ترجمہ میں، کتاب کا عربی حوالہ اردو عنوان کا بجائے خود حصہ ہے۔ ہم چاہیں گے اردو میں اس کا مختصر نام ''اقتضاء صراطِ مستقیم'' ہی چلے۔ مقصد ایک تو ''اصل'' کو زیادہ سے زیادہ حوالہ بنانا ہے کیونکہ "اِقْتِضَاءُ الصِّرَاطِ الْمُسْتَقِيمِ" ہمارے تراث کی شیلف میں پڑا ایک جانا پہچانا نام ہے؛ لہٰذا اس کے علمی مومنٹم سے ہم اردو میں بھی دستبردار نہ ہونا چاہیں گے، خصوصاً جبکہ ان تینوں الفاظ [اقتضاء، صراط، مستقیم] کے معاملہ میں ''ریختہ'' ہمارا ساتھ دینے سے انکاری نہیں! دوسرا، سورہ فاتحہ کا ایک عظیم الشان مضمون ہمارے خیال میں ''اقتضاء صراطِ مستقیم: دوزخ والوں کے برخلاف کرنا'' ایسی کسی برہنہ تعبیر کے بغیر ادا بھی نہیں ہوتا۔ اور یہ ''ملتوی'' کے حالیہ

گھمسان میں بوجوہ ضروری ہے۔'تہذیب' کے مترادفات آج کتنے ہی ضروری ہو گئے ہوں، ''عقیدہ''، ''شریعت'' اور''ملت'' ایسے کچھ بنیادی مضامین اور "الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ" اور"مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ"اور"ضَآلِّيْنَ"ایسی کچھ صریح تعبیرات کا اوران میں پائی جانے والی سنگینی کا آج بھی کوئی متبادل نہیں۔ کچھ اس وجہ سے؛ کتاب کا نام زیادہ سلیس یا جدید کرنے کی کوشش نہ ہوئی۔

re-interpretation والے حضرات البتہ خاطر جمع رکھیں۔"اَصْحَابِ الْجَحِيْمِ" کا لفظ یہاں اس معنی میں آیا ہے کہ محمد ﷺ پر ایمان نہ رکھنے اور آپ ﷺ کی راہ کو اپنی راہ نہ ماننے والے لوگ اصولاً ''دوزخ والے'' ہیں۔ نہ کہ اس معنی میں کہ ان کے فرداً فرداً دوزخی ہونے کی کوئی 'پیشگوئی' ہماری جانب سے کی جارہی، یا انہیں دوزخ بھیجنے کا خدائی اختیار اپنے ہاتھ میں لیا جارہا ہے! خدا کا وہ فیصلہ جو وہ انسانوں کے اختلاف کے متعلق اپنی کتاب اتار کر اس دنیا میں کر چکا، ہمارا حوالہ اس باب میں بس وہی ہے۔ البتہ ہم کہتے ہیں، وقت کے اس آسمانی ''بیان'' کو خدا کے ہاں ردّ ہو چکے انسانوں اور خدا کے ہاں اصولاً قبول انسانوں کے بیچ مُخَالَفَةُ الْهَدْيِ الظَّاهِرِ[۱] کی سطح تک ہی لا رکھنا ضروری ہے۔ اور یہ دین کو ''ظہور دلوانے'' کے معانی یا تقاضوں میں باقاعدہ شامل ہے۔

ایک وقیع علمی تالیف کا ''ترجمہ'' ایک حد تک ہی آسان کیا جاسکتا ہے۔ مستقبل قریب میں اسے تسہیل اور تلخیص کی صورت میں لانا، نیز اس کی عربی شروح سے استفادہ پر مبنی کچھ آڈیو ویڈیو[۲] تفہیمات فراہم کرنا بھی ان شاءاللہ ہمارے پیش نظر ہے۔

وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْب۔

یہ کتاب اور مکتبہ ایقاظ کی دوسری کتب منگوانے کے لیے رابطہ:

+92-329-7833252 ای میل:matbooateeqaz@gmail.com

---

[۱] مُخَالَفَةُ الْهَدْيِ الظَّاهِرِ: یعنی خدا کے ہاں ردّ ہو چکے انسانوں اور خدا کے ہاں اصولاً قابلِ قبول انسانوں کے بیچ ظاہری طور طریقوں میں بھی قدم قدم پر فرق کروا دینا۔ جو کہ انسانیت کے اختلاف میں کتاب کے فیصلہ (فرقان) کا ایک عملی ظہور اور زمین پر ایک مستقل یاد دہانی ہوگا۔

[۲] ہمارا ویڈیو چینل لنک: https//shorturl.at/shly1، آڈیو چینل لنک: https//shorturl.at/789c5، ہمارا ویب سائٹ: https//eeqaz.org/default.aspx

تبصرۂ کتب مدیر

کتاب نما

’طاغوت اورفرعون‘ ازخلیل الرحمٰن چشتی

چشتی صاحب تحریکِ اسلامی کے رکن، استاد، داعی اور دانشور ہیں۔ انہوں نے اپنی کتاب ’طاغوت اور فرعون‘ میں اسلام میں طاغوت کے تصور پر تفصیلی گفتگو کی ہے۔ اسی طرح انہوں نے اسلام میں فرعون کے کردار پر بھی تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ یہ دراصل ان کے دو الگ الگ رسائل تھے اور انہوں نے دونوں کو اس کتاب میں جمع کر دیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ادارے، جماعتیں، قومیں اور تہذیبیں بھی طاغوت ہو سکتی ہیں۔ وہ طاغوت کے تصور اور فرعون کے کردار کو عصر حاضر کے تناظر میں بھی زیر بحث لاتے ہیں۔ یہ دونوں امور قابل توجہ ہیں اور علومِ اسلامیہ کے طلبہ اور کارکنانِ تحریکِ اسلامی کے علاوہ عام مسلمانوں کو بھی ان کے بارے میں جاننا چاہیے۔

’تنظیم امت‘ ازخلیل الرحمٰن چشتی

چشتی صاحب نے اس کتاب میں اسلامی روایت میں جماعت، بیعت، امیر، سمع وطاعت اور شورائیت پر تفصیلی گفتگو کی ہے۔ اس موضوع پر عربی میں خاصا کام ہو چکا ہے لیکن اُردو میں اس موضوع پر لٹریچر کم ہے اس لیے عام لوگوں کے علاوہ جدید دینی تحریکوں کے کارکنوں کو چشتی صاحب کی کتاب کا مطالعہ ضرور کرنا چاہیے۔ یہ موضوع میری دلچسپی کا ہے، اور اس پر کبھی کبھار کچھ لکھا بھی ہے۔ اسلام اور عصر حاضر میں سیاسی نظام پر میں تفصیل سے لکھنا چاہتا تھا لیکن دوسری ترجیحات نے اس پر کام کا موقع نہیں دیا۔ اب قوت کار میں کمی، دوسری ترجیحات کی مشغولیت اور بیماری نے اس کتاب کے بالاستیعاب مطالعے کا موقع نہیں دیا۔ بعض جگہ چشتی صاحب سے اختلاف بھی محسوس ہوا لیکن مذکورہ بالا عوارض کی وجہ سے کتاب پر تفصیلی تبصرہ نہیں کرسکا۔ ہاں! جن لوگوں کو ان موضوعات سے دلچسپی ہو، انہیں ضرور یہ کتاب

پڑھنی چاہیے۔ بڑی تقطیع پر 283 صفحات کی کتاب ملک کے بڑے شہروں میں دستیاب ہے۔ چشتی صاحب سے اس کے لیے 0300-5560900 پر رابطہ کیا جا سکتا ہے۔

'ماہنامہ الحق کا حامد الحق شہیدؒ نمبر' مدیر اعلیٰ مولانا راشد الحق سمیع

پشاور جیسے عظیم اور قدیم شہر سے جڑا ایک شہر جسے نوشہرہ کہا جاتا ہ ۱۹۹۰ء تک تحصیل تھا اس کا پشاور سے فاصلہ زیادہ نہیں۔ نوشہرہ یعنی نیا شہر ایک قدیم اور عظیم شہر پشاور کے سایہ میں بڑا نہیں بن سکتا تھا جس طرح برگد جیسے چھتنار درخت کی چھاؤں دوسرے درختوں کو بونا رکھتی ہے مگر قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ ایک عظیم درویش صفت خاندان عبد الحقؒ نے دریا کنارے ایک قصبے اکوڑہ خٹک میں دار العلوم حقانیہ کی بنیاد رکھی ان کی حقانیت وصداقت نے ایسے ایسے رجال کار تیار کیے جن کے فیوض وبرکات کی بدولت نہ صرف یہ شہر بھی پھلا پھولا اور ضلع بن گیا۔ دوسری طرف مولانا عبد الحقؒ نے دار العلوم حقانیہ کے ذریعہ ہونہار اولاد کے اور قابل شاگردوں کے ذریعے عالم اسلام کو دین کے سچے داعی اور باعمل علماء دیئے۔ ابھی شہید اسلام مولانا سمیع الحق کی قربانیاں بھولی نہ تھیں کہ ان کے جانشین باوقار صاحبزادے ماہ رمضان المبارک میں جمعہ کے دن باوضو حالت میں جمعہ کی نماز پڑھ کر اپنی ہی جامعہ میں جامِ شہادت نوش کر گئے۔

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

ماہنامہ الحق نے بیاد حامد الحق بڑا عظیم شمارہ شائع کیا ہے۔ اس شمارے میں پاکستان بھر کے دینی وسیاسی مشاہیر نے اپنے مضامین بھیجے جن میں حضرت مولانا زاہد الراشدی، مجیب الرحمان شامی، مولانا عبد القیوم حقانی، ڈاکٹر مشتاق احمد اور دیگر تھے۔ تمام مضامین محبت بھرے، سوز بھرے اور عقیدت سے لبریز تھے۔ شہیدِ حق مولانا حامد الحق کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔

﴿أُولَٰٓئِكَ عَلَيۡهِمۡ صَلَوَٰتٌ مِّن رَّبِّهِمۡ وَرَحۡمَةٌۖ وَأُولَٰٓئِكَ هُمُ ٱلۡمُهۡتَدُونَ ۝١٥٧﴾

(تحریر: حافظ محمد عمران طحاوی)

'قادیانیوں کے حق میں سپریم کورٹ کا غیر منصفانہ فیصلہ' از مولانا حافظ عبد الحق خان بشیر

مولانا عبد الحق خان بشیر صاحب (ابن مولانا سرفراز خاں صفدرؒ) کی یہ کتاب قادیانیوں کے حق میں دیے جانے والے سپریم کورٹ کے غیر منصفانہ فیصلے کے تجزیہ وتعلیق پر مبنی ہے۔

مولانا کے دلائل پاکستان کے جمہور اہل علم کی رائے کا مظہر ہیں اور انہوں نے بجا طور پر سپریم کورٹ کے غیر منصفانہ فیصلے پر تنقید کی ہے۔ جیسا کہ احباب کے علم میں ہے کہ علماء عوام اور حکومت کے دباؤ پر بالآخر چیف جسٹس صاحب کو اس فیصلے پر نظر ثانی کرنا پڑی اور انہیں اپنے اور اپنے سیکرٹری (ڈاکٹر مشتاق احمد جو غامدی گروپ کی فکر کے کافی قریب ہیں) کے موقف کے خلاف فیصلہ دینا پڑا۔ بہر حال علماء کرام کا مرزا غلام احمد کی جعلی نبوت کو ردّ کرنے کے لیے مسلسل جدوجہد کرنا ایک مفید عمل ہے جس کی وجہ سے قادیانیوں کو پسپائی اختیار کرنا پڑتی ہے۔

کتاب کا ٹائٹل ''خطبات بشیر فی سیرت سراج منیر'' ہے جس سے دھیان اس طرف جاتا ہے کہ شاید یہ سیرت النبی پر کوئی کتاب ہے جبکہ اس کا موضوع ردّ قادیانیت ہے۔ کتاب حق چار یار اکیڈمی گجرات (فون نمبر:0301-6223211) سے مل سکتی ہے۔

'مسجد اقصیٰ اور مسئلہ فلسطین' ازحمزہ احسانی (مدیر ماہنامہ صفدر)

مرتب نے ۳۲ صفحات کے اس پمفلٹ میں مسئلہ فلسطین اور مسجد اقصیٰ کے بارے میں بنیادی معلومات جمع کر دی ہیں جو خطیب حضرات اور عام پڑھے لکھے لوگوں کے لیے مفید ہیں۔ اس بروشر میں ان کمپنیوں کی تفصیل بھی دی گئی ہے جو اسرائیل اور اس کے حمایتی امریکہ و یورپ کی ہیں اور جن کی تیار کردہ اشیاء کا بائیکاٹ کیا جانا چاہیے۔ نیز اس میں اختصار کے ساتھ جاوید احمد غامدی، عمار ناصر اور مولانا شیرانی کا ذکر بھی کیا گیا ہے جو عامۃ الناس اور جمہور علماء کے برعکس مسجد اقصیٰ یہودی موقف کو سراہتے ہیں۔ بروشر حاصل کرنے کے لیے مظہر یہ دارالمطالعہ 0312-4612774 سے رابطہ کیا جا سکتا ہے۔

علم کی شمع جلتی رہے

معزز قارئین، ماہنامہ البرہان تعلیم وتزکیہ کے لیے اپنی سی کوشش جاری رکھے ہوئے ہیں یہ شمع روشن تبھی رہے گی جب آپ اس میں اپنے حصے کا تیل ڈالتے رہیں گے لہٰذا مالی تعاون سے اس مشن کو زندہ رکھنے کا باعث بنیں۔ سونیری بینک لمیٹڈ، مین برانچ، دی مال، لاہور

اکاؤنٹ نمبر:PK92SONE0000120000056341

جازکیش:0300-4354673

بقیہ: سبق تدریس القرآن

اہم نکات

مشکل الفاظ کے معانی

جوڑ کر لکھے گئے الفاظ: ۱۔ اِدّٰرَءْتُمْ اصل میں تَدَارَءْتُمْ تھا۔ ۲۔ بِبَعْضِهَا = بِ + بَعْضِ + هَا

۳۔ اَفَتَطْمَعُوْنَ = اَ + فَ + تَطْمَعُوْنَ ۴۔ لِيُحَآجُّوْكُمْ = لِ + يُحَآجُّوْا + كُمْ

۵۔ اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ = اَ + تُحَدِّثُوْنَ + هُمْ

۲۔ 'فجر' کا لغوی معنی ہے پھٹنا، پھوٹنا۔ نماز فجر کو فجر اس لیے کہتے ہیں کہ اس وقت اندھیرے سے روشنی پھوٹنا شروع ہوتی ہے۔

۳۔ قَتَلْتُمْ: کالفظی ترجمہ ہے ''تم سب نے قتل کیا''۔ مراد یہ ہے کہ تمہی میں سے کسی نے قتل کیا۔

۴۔ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ: دل پتھر کی طرح سخت ہو گئے۔ مطلب یہ کہ وہ کسی اچھی بات کا اثر قبول نہیں کرتے۔

مفہوم کا خلاصہ

۱۔ کچھ واقعہ پچھلے سبق میں آیا تھا۔ خلاصہ یہ کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص قتل ہو گیا۔ قاتل کا پتہ نہیں چلا تو اس زمانے کے دستور کے مطابق انہیں قربانی کا حکم دیا گیا تاکہ اس آبادی کے سرکردہ لوگ مقدس ماحول میں قسم اٹھا کر کہیں کہ انہیں قاتل کا پتہ نہیں (اسلامی فقہ میں اس کو ''قسامت''، یعنی اجتماعی طور پر قسم اٹھانا کہتے ہیں اور یہ قرآن مجید پر اٹھائی جاتی ہے)۔ بنی اسرائیل گاؤ پرستی کی وجہ سے گائے ذبح کرنے میں لیت ولعل سے کام لینے لگے۔ بالآخر جب انہیں گائے ذبح کرنی پڑی تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اس کے ایک ٹکڑے کو مقتول کے جسم سے چھوؤ تو مردہ زندہ ہو کر بتادے گا کہ اس کا قاتل کون ہے، اور اس نے بتا دیا۔

۲۔ اللہ کی اتنی واضح نشانیاں دیکھنے کے باوجود ان لوگوں کے دل نہ پسیجے اور انہوں نے فرماں برداری کی روش اختیار نہ کی۔

۳۔ نبی کریم ﷺ کو کہا گیا ہے کہ ایسے پتھر دل لوگوں سے آپ توقع کیوں رکھتے ہیں کہ وہ آپ پر ایمان لائیں گے۔ ان منافقوں کا تو یہ حال ہے کہ آپ کے سامنے کہتے ہیں کہ ہم مومن ہیں لیکن اپنے لوگوں کے پاس جا کر آپ کے خلاف باتیں بناتے ہیں۔ اللہ سے ان کی کوئی حرکت چھپی ہوئی نہیں ہے اور دنیا کی مہلت عمل ختم ہونے کے بعد وہ ان کے کرتوتوں کی سخت سزا انہیں دے گا۔

۴۔ اس واقعہ سے آخرت پر استدلال کیا گیا ہے کہ جو اللہ ذبح شدہ گائے کے ٹکڑے کے مردہ آدمی کو چھونے سے اس کو زندہ کر سکتا ہے، وہ آخرت میں فوت شدہ لوگوں کو کیوں زندہ نہیں کر سکتا؟ اور اس میں بنی اسرائیل کے لیے آزمائش تھی کہ جس گائے کو وہ پوجتے تھے، اس کے چھونے سے مردہ آدمی زندہ ہو گیا حالانکہ زندگی اور موت اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اور اس میں گائے کا کوئی کمال نہ تھا۔

حاصل کردہ سبق

۱۔ انفس وآفاق یعنی اپنے آپ پر اور کائنات پر غور کرو اور اس بات کو سمجھو کہ جو اللہ تمہیں پیدا کرتا اور زندگی دیتا ہے اور جو تمہارے سامنے بارش برساتا ہے اور پھر مردہ اور بنجر زمین سے سبزہ اُگاتا ہے تو وہ تمہیں مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیوں نہیں کر سکتا؟ لہٰذا آخرت پر پختہ یقین رکھو۔

۲۔ منافقت بری خصلت ہے کہ آدمی کے دل میں کچھ اور ہو اور زبان پر کچھ اور۔ لہٰذا یکسو ہو کر اللہ پر اور اس کی ہدایت پر یقین رکھو اور اس پر عمل کرو۔